باب : چہارم

دیپک بدکی کا تنقیدی شعور

اردو بڑی عالمی زبانوں میں سے ایک زبان ہے جو نہ صرف اپنی جائے پیدائش ہندوستان میں پڑھی، لکھی اور سمجھی جاتی ہے بلکہ پاکستان اور اردو کی نئی بستیوں مثلاً یورپ، امریکہ، آسٹریلیا اور مشرقِ وسطیٰ میں بھی مقبولیت حاصل کر چکی ہے۔ پاکستان میں اسے سرکاری زبان کی حیثیت حاصل ہے۔ دیگر زبانوں کی مانند اردو ادب بھی مختلف اصناف سے آراستہ ہے جیسے غزل، قصیدہ، مثنوی، افسانہ، ناول، انشاء وغیرہ جو نثر یا نظم دو حصوں میں تقسیم کیے جا سکتے ہیں۔ پرانے زمانے میں ادیبوں کی تخلیقات کا مطالعہ کرنے والے یا پھر ادیب یا شاعر خود دوسرے قلم کاروں کے فن پاروں کا جائزہ لیتے تھے۔ ان میں پائی جانے والی خوبیوں اور خامیوں کی نشاندہی کرتے تھے۔ آج بھی ادب کے قارئین جو کچھ پڑھتے ہیں اُس پر ذہنی صلاحیتوں کے مطابق اپنی آرا کا اظہار کرتے ہیں۔ البتہ ان میں سے چند ایسے قارئین ہیں جو ادبی سوجھ بوجھ رکھتے ہیں، ان کا مطالعہ ومشاہدہ وسیع ہوتا ہے، وہ کسی بھی شاعر یا نثر نگار کی تحریر کو غور سے پڑھتے ہیں، سمجھتے ہیں، اس کی اچھائیوں اور برائیوں کی جانچ کرتے ہیں اور عدل وانصاف سے اس کی قدر و قیمت کا صحیح تعیّن کرتے ہیں۔ نقادوں کی یہی پیشہ ورانہ صلاحیت انھیں عالم ادب میں ایک مخصوص مقام دلاتی ہے۔

بعض نقاد صرف اور صرف ادب کی جمالیات اور اس کی فنی اختصاص کی جستجو کرتے ہیں جبکہ بعض نقاد ادیبوں اور شاعروں کی زندگی کے حالات معلوم کر کے ان کے درمیان تعلق باہمی کا پتہ لگانے کی کوشش کرتے ہیں۔ بعض نقاد فنکار سے متعلق تمام پہلوؤں پر بحث کرتے ہیں۔ وہ فنکار کے زمانے کے سماجی، سیاسی اور اقتصادی حالات، نظریات اور خیالات کی روشنی میں اس حقیقت کو تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ فنکار نے کس حد تک اپنے زمانے کے حالات اور فکریات کی ترجمانی کی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ تغیر زمانہ کے ساتھ ساتھ حالات، خیالات اور نظریات بدل جاتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں روایت سے بغاوت کے چشمے پھوٹتے ہیں اور ادب پر نئی سوچ اور نئی تحریکوں کے اثرات دکھائی دینے لگتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ادب میں 'ادب برائے ادب' اور 'ادب برائے زندگی' کی جنگ چھڑی رہتی ہے اور ان دو مسلکوں کے نقاد صف آرائی میں مصروف رہتے ہیں۔

یہ امر مسلم ہے کہ اردو ادب نے فارسی اور عربی کے زیر اثر ترقی کی منزلیں طے کی ہیں۔ اردو تنقید کی عمارت بھی عربی وفارسی کی تنقیدی روایات کی طرح علمِ معنی وعلمِ بیان کی اصطلاحات پر کھڑی ہیں۔ سماجی زندگی کے تغیرات کے اثرات اردو ادب پر بھی پڑے۔ ان اثرات نے اردو ادب میں نہ صرف تنقید کے لیے زمین ہموار کر دی بلکہ تنقید کرنے کے رہنمائی اصول بھی فراہم کیے۔ وضاحت کے لیے یہاں پر چند رہنمائی نکات اور جوشؔ ملیح آبادی کی نظم 'نقاد' کے چند اشعار پیش کرتی ہوں۔

☆ شاعروادیب کواپنی تخلیقات کے ذریعے معاشرے کی خرابیوں کودور کرنے کی کوشش کرنی چاہیےاور ایک نئے سماج کی بنیاد ڈالنے میں اپنارول ادا کرنا چاہیے۔

☆ نقادکوان تاریخی تحریروں کوہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے جن سے انسانی تمدن بنتا ہےاور جن سے ادب وجود میں آتا ہے۔

☆ تنقید نگارکودونوں باتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔(۱) خارجی حالات اور (۲) داخلی کیفیات (جمالیات)

☆ ادب اور زندگی میں ہم آہنگی کا ہونا نہایت ضروری ہے کیونکہ انسانی تجربہ ادب اور زندگی کا مخزن ہے۔

☆ ناقد کو چاہیے کہ وہ ادب کے کسی بھی تخلیق کار کے ذریعے بیان کردہ نفسیاتی تجربات،جنسی احساسات، اور حیات انسانی کے حوادث کے بنیادی مسائل کونظرانداز نہ کرے۔

☆ ہر فنکارکوچاہیے کہ وہ حقیقت کے رنگوں کے مختلف امتزاج سے حقیقت کو نئے نئے روپ میں پیش کرتا رہے۔

☆ نقاد کی نظرادب پاروں کے منفی پہلوؤں پر نہ رہ کر مثبت پہلوؤں پر رہنی چاہیے۔

☆ جوش ملیح آبادی کی نظم 'نقاد' کے منتخب اشعار ؎

؎ ''رحم،اے نقادِ فن !یہ کیا ستم کرتا ہےتو؟ کوئی نوکِ خار سے چھوتا ہےنبضِ رنگ وبو؟

؎ شاعری اور منطقی بحثیں،یہ کیسا قتلِ عام؟ بُرِّشِ مِقراض کا دیتا ہے زُلفوں کوپیام؟

؎ کیوں اُٹھا ہےجنسِ شاعرکے پرکھنے کے لیے؟ کیا شمیمِ سُنبل و نسرین ہےجُھکنے کے لیے؟

؎ دل سےاپنے پوچھ، او زِندانیِ عِلم و کِتاب حُسنِ قُدرت کو بھی دیکھاہے براگندہ نقاب؟

؎ مرکے بھی تو'شاعری کا بھید پاسکتا نہیں عقل میں ، یہ مسئلہ نازُک ہے،آسکتانہیں

؎ توسمجھتا تھا ، جو کہنا چاہیے تھا ، کہہ گیا پوچھ شاعِر سے! کہ وہ کیا کہہ سکا؟ کیارہ گیا؟

؎ کون سمجھے؟ شِعر یہ کیسے ہیں؟ اور کیسے نہیں؟ دِل سمجھتاہے کہ جیسے دِل میں تھے،ویسےنہیں '' ۱؎

دیپک بدکی موجودہ دور کے معروف اردوافسانہ نگار ہیں۔انھوں نے گذشتہ دودہائیوں میں اردوافسانہ نگاری میں اپنی انفرادیت کا جادو جگا رکھا ہے۔اب تک ان کے چار افسانوی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ان کے علاوہ تنقیدی مضامین اور تبصروں پرمبنی ان کی دو کتابیں بھی منظر عام پر آچکی ہیں۔بدکی ویسے تو باقائدہ نقادنہیں ہےالبتہ ہرتخلیق کارکی طرح ان کے اندر بھی ایک نقاد پوشیدہ ہے جوان کے تخلیقی شعوراورتنقیدی بصیرت کی ترجمانی کرتا ہے۔موصوف بھی اپنے عہداور ماحول سے کافی متاثرنظر آتے ہے۔وہ اپنے دور کے تنقیدی رجحانات ونظریات سے واقف ہیں اور عالمی ادب پر گہری نظر رکھتے ہیں جس کا عکس ان کے تنقیدی شعور میں صاف صاف جھلکتا ہے۔مغربی

تنقیدی نظریات سے وہ باخبر ہیں۔ ان کی تنقیدی آ گہی ان کے تنقیدی مضامین سے صاف ظاہر ہوتی ہے۔ ان کی تنقیدی مضامین اور تبصروں پر مبنی پہلی کتاب 'عصری تحریریں' کے ابتدائیہ میں ڈاکٹر فرید پربتی فرماتے ہیں:

'' دیپک بدکی بھی تخلیقی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ اچھا تنقیدی شعور رکھتا ہے۔ وہ گاہے بہ گاہے اپنے تنقیدی شعور کا اظہار کبھی کسی کتاب پر رائے دے کر، کبھی کسی کتاب پر تبصرہ لکھ کر اور کبھی کسی ادبی شخصیت پر تنقیدی مضمون لکھ کر کرتے ہیں۔'' ۲

'عصری تحریریں' پر ہی اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے ڈاکٹر سیفی سرونجی، مدیر سہ ماہی انتساب سرونج اپنے خیالات کا اظہار مندرجہ ذیل الفاظ میں کرتے ہیں:

'' اس کتاب (عصری تحریریں) کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک نامور افسانہ نگار کی تحریریں ہونے کے باوجود صرف کہانیوں سے متعلق کتابوں پر ہی نہیں بلکہ تنقیدی تحقیقی کتابوں اور شاعری پر بھی ہیں جنہیں پڑھ کر دیپک بدکی کی تنقیدی بصیرت کا پتہ چلتا ہے۔'' ۳

دیپک بدکی کے تخلیقی عمل میں مختلف اقسام کی تنقید کے عناصر پائے جاتے ہے جیسے متنی تنقید، تاثراتی تنقید (Impressionistic Criticism)، جمالیاتی تنقید (Aesthetic Criticism)، تقابلی تنقید (Comparative Criticism)، تاریخی تنقید (Historical Criticism) سائنٹیفک تنقید (Scientific Criticism) وغیرہ۔ یہاں پر پروفیسر سلیم اختر کی عمرانی تنقید کے بارے میں رائے، جو انھوں نے اپنی کتاب 'تنقیدی دبستان' میں رقم کی ہے، نقل کرنا ضروری سمجھتی ہوں:

'' نسل، ماحول اور لمحہ تخلیق۔ تاریخی تنقید کی بنیاد ان تین عناصر پر استوار تھی اور عمرانی (یا بعض کے نزدیک سماجی) تنقید نے اس میں سے صرف ایک عنصر.... ماحول..... کو لے کر اس کا ژرف نگاہی سے تجزیہ کرتے ہوئے اور اس سے وابستہ مختلف النوع عوامل کا محدب شیشہ میں مطالعہ کرتے ہوئے ادب کی تخلیق اور قلم کار کی تشکیل میں سماجی محرکات کی تلاش ہی کو اساسی اہمیت دے کر ادبی تنقید کو سماجی علوم کے ایک شعبہ کی حیثیت دے دی۔ '' ۴

جہاں تک دیپک بدکی کی تنقیدی شعور کا تعلق ہے ان کے بارے میں مناظر عاشق ہرگانوی اپنے مضمون 'دیپک بدکی کی عصری تحریریں-تنقید کے حوالے سے'' میں فرماتے ہیں کہ:

'' دیپک بدکی ادب کی تخلیق کو مظاہر کے تجزیہ سے پرکھتے ہیں اور اندرونی کشمکش، ارتقاء اور حرکت پر نظریں جماتے ہیں، ساتھ ہی مواد کو ہئیت پر ترجیح دیتے ہیں اور محض فنکار کے خیالات کو بجنسہ پیش نہیں کرتے بلکہ ان پر اپنا فیصلہ بھی صادر کرتے ہیں۔ اس لیے ان کی تنقید تاثراتی سے آگے بڑھ کر سائنٹفک کے زمرے

میں آ جاتی ہے۔'' ۵؎

یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ دیپک بدکی کی تنقیدی نگاہ متن پر خاص طور سے جمی رہتی ہے۔متنی تنقید میں فنکار کی تحریروں کا مطالعہ کرتے وقت دانستہ یا نادانستہ طور پر فنکار کے ذریعے ہونے والی غلطیوں کی نشاندہی کی جاتی ہے۔متنی تنقید کے دوران نقاد اپنی وسعت علمی کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنی مثبت رائے کا اظہار کرتا ہے۔مثلاً مشہور افسانہ نگار اور کالم نگار قاضی مشتاق احمد کی کتاب 'آٹھ سفرنامے' پر اپنے تاثرات قلم بند کرتے ہوئے بدکی لکھتے ہیں:

'' متن میں چند ایک جگہوں پر غلطیاں بھی در آئی ہیں۔مثلاً 'ہاؤس بوٹ' کشمیر کے شکارے کا متبادل نہیں ہے۔ کشمیر میں ڈل جھیل اور دریائے جہلم میں ہاؤس بوٹ جا بجا ملتے ہیں جن میں سیاح رہتے بھی ہیں۔اس کے برعکس شکارا گھومنے پھرنے کے لیے محض ایک چھوٹا سا فیری بوٹ (Ferry boat) ہوتا ہے (صفحہ ۲۸) ۔ہماچل پردیش کے برفانی علاقوں میں جو جانور ملتے ہیں انہیں 'یان' (Yan) نہیں بلکہ 'یاک' (Yak) کہتے ہیں۔(صفحہ۔۳۸)۔اسی طرح صفحہ۔۵۱ پر زوریچ (Zurich) لکھا جا چکا ہے جبکہ اس لفظ کو 'زورِک' کہا جاتا ہے۔جرمن کی ندی کا نام 'رہائن (Rhein) ہے (جرمن میں Rhein)۔ اس کو Rehein لکھنا غلط ہے (صفحہ ۱۷)۔ صفحہ ۱۲۱ پر Confrontation کا بدل 'الحاق' لکھا گیا ہے جبکہ اس کا صحیح مطلب 'مقابلہ آرائی' یا 'تصادم' ہو سکتا ہے۔صفحہ ۱۲۴ پر Tin کو تانبا لکھا گیا ہے جبکہ Tin قلعی ہوتی ہے اور تانبا Copper کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔مجھے امید ہے ان غلطیوں کو دوسرے ایڈیشن میں درست کر لیا جائے گا۔'' ۶؎

اس اقتباس سے بدکی کے تنقیدی شعور کا پتہ چلتا ہے۔ان کی علمیت اور معلوماتی پختگی کا پتہ چلتا ہے۔یہ اقتباس بدکی کے ذریعے کی گئی متنی تنقید کا آئینہ ہے۔بدکی کشمیر میں پیدا ہوئے ہیں اور اُسی ماحول میں پرورش پائی ہے،اس لیے ضروری ہے کہ ان کو وادی کے ہاؤس بوٹوں اور شکاروں کی کافی جانکاری ہوگی۔اس بات کا احساس ہمیں بدکی نے پہلے بھی اپنے افسانوں کے ذریعے کرایا ہے۔بدکی کا لکھا ہوا دوسرا افسانوی مجموعہ 'چنار کے پنجے' کشمیر کے حالات کی روداد پیش کرتا ہے۔دیپک بدکی نے کشمیری شاعرہ سیدہ نسرین نقاش کے شعری مجموعہ 'دشتِ تنہائی' کے کشمیر سے متعلق چند اشعار کا حوالہ بھی اپنی کتاب 'عصری تحریریں' میں دیا ہے۔اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

''؎ ہمارے عہد کا انجام دیکھئے کیا ہو　　ہم آئینے ہیں مگر پتھروں میں رکھے ہیں

؎ تھا کیا حسین شہر کبھی شہر دل کہ اب　　در ہی دکھائی دے نہ کوئی گھر دکھائی دے

؎ تمہارے شہر میں ٹیلے کا وہ کھنڈر لوگو　　کہیں رہا تو نہیں تھا کبھی مکاں میرا

؎ جہاں بھی دیکھوں وہیں رُک کے تکنے لگتی ہوں　　کہ ہر اجاڑ کھنڈر اپنا گھر لگے ہے مجھے

؎ قتل ، ڈاکہ ، رہزنی ، عصمت دری　　پڑھتے پڑھتے تھک گئے اخبار لوگ

؎ لکھ کہ اب پہاڑوں پر برف آگ اگلتی ہے　　جل گئی ہیں پھولوں کی ریشمیں قبائیں لکھ

؎ ہنستے بھی ہیں تو آنکھوں میں آجاتے ہیں آنسو　　وہ جانے ہمیں کیسی دعادے کے گئے ہیں ''؎۷

کشمیر کے حالات کو بدکی نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اسلئے انھوں نے اپنے محسوسات کو سیدہ نسرین نقاش کے اشعار میں عکس ریز ہوتے ہوئے پایا ہے۔ چنانچہ یہ کہ شاعر یا ادیب کسی منظر یا حادثے کے سبب دل میں پیدا ہوئے احساسات وجذبات کو، جس سے وہ متاثر ہوتا ہے، اپنی تخلیق میں سمو دیتا ہے جبکہ نقاد اُس تحریر کو عصری آگہی کے تناظر میں دیکھ کر اپنی رائے قائم کرتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ اس کے دل پر وہ تحریر پڑھ کر کیا گزری۔ ایسا بیان تاثراتی تنقید کے زمرے میں آتا ہے۔ اس بارے میں بدکی نے سیدہ نسرین نقاش کے اشعار کو پڑھ کر اور اپنے مادر وطن کشمیر کو لے کر اپنے تاثرات کا اظہار یوں کیا ہے کہ ''نسرین کا کشمیر پچھلے پندرہ سالوں سے دہشت گردی کی آگ میں جھلس رہا ہے۔ پھر وہ اس آگ کو دیکھ کر کیسے چپ بیٹھ سکتی ہیں۔''

عام طور پر تاثراتی تنقید اور جمالیاتی تنقید میں زیادہ فرق دکھائی نہیں دیتا البتہ دونوں میں اختلاف واضح ہے۔ مثال کے طور اُوپر درج ہوئی باتوں سے پہلی نظر میں تاثراتی تنقید کا گمان ہوتا ہے جبکہ جمالیاتی تنقید میں تنقید نگار کسی ادیب یا شاعر کے فن پارے کو دیکھ کر اُس پر روشنی ڈالتے ہوئے جو کچھ بھی لکھتا ہے اُسے اُس کے جذبات اور محسوسات کا حُسن جھلکتا ہے اور وہ اپنی مصورانہ رائے کا اظہار کرتا ہے جو جمالیاتی تنقید کا ایک جزو یا عنصر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر شاہد اختر کے ناول 'شہر میں سمندر' پر بدکی نے اپنے جمالیاتی تنقیدی شعور کا اظہار بڑے ہی اثر انداز طریقے سے یوں کیا ہے:

> '' زیرِ نظر ناول فلم نگری ممبئی کی بے چہرہ زندگی، مادیت پرستی، نفسانفسی اور پراگندگی کی جیتی جاگتی تصویر ہے جہاں تناور درخت جستہ جستہ کھوکھلے ہو کر زمین بوس ہوجاتے ہیں جبکہ کمزور طفیلی امر بیلیں میزبانوں کے خون پر پل کر کامیابی وکامرانی کی منزلیں طے کرتی ہیں۔ اس نگری میں زید سلمان (راوی) کو ایک جانب شیطان نما انسان مل جاتے ہیں اور دوسری طرف دیال آنند کے روپ میں اخروٹ نما باہر سے سخت اور اندر سے نرم دل رکھنے والے ہمدرد۔ ایک طرف چمچماتی، کھوکھلی مسکراہٹیں بکھیرتی 'ایکسٹرا' لڑکیاں ملتی ہیں اور دوسری طرف مریم جیسی رودابہ کا سامنا ہوتا ہے۔ فلم نگری کو شاہد اختر نے بہت قریب سے دیکھا اور پھر اس ناول میں اُسے ورق ورق بے نقاب کیا ہے۔ اگر چہ یہ پہلا ناول نہیں ہے جو ممبئی کی رنگین فلم لائف کے بارے میں لکھا گیا ہو مگر شاہد صاحب نے جس حقیقت نگاری اور طنز وتشنیع سے کام لیا ہے اس نے ناول کو ایک نئی جہت عطا کی ہے۔ ''۸

دیپک بدکی ایک اچھے افسانہ نگار ہونے کے علاوہ اردو ادب کے ایک اچھے قاری بھی ہے۔ انھوں نے اردو

ادب کا عمیق مطالعہ کیا ہے۔ان کی نگاہیں قدیم ، جدید اور الٹرا موڈرن زمانے میں تخلیق ہوئے ادب پر گڑی ہوئی ہیں ۔اِسی کا نتیجہ ہے کہ جب وہ مانک ٹالا کی افسانہ نگاری پر اپنا مضمون قلم بند کرتے ہیں تو اپنے تنقیدی تاثرات بیان کرتے ہوئے ،تقابلی تنقیداور تاریخی وسائنٹفک تنقید کا سہارا لیتے ہیں:

''اس افسانے (ہوری کا دوسرا جنم) میں افسانہ نگار نے'گئودان ' کا قصہ موڈرن تناظر میں Recreate کرنے کی کوشش کی ہے اور اصلی متن سے کئی پیراگراف جوں کے توں اپنے افسانے میں بھر دیئے ہیں جسے یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ آج بھی پریم چند کی کہانی ہندوستانی معاشرے سے Relevance رکھتی ہے۔'' ۹

علاوہ ازیں بدکی کے لکھے تنقیدی مضامین وتبصروں میں ایسی بہت سی باتیں نظر آتی ہے جن کو تقابلی تنقید کے زمرے میں رکھا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ذیل میں درج چند مختلف اصناف سخن پر دی گئی رائے سے نہ صرف ان کی تقابلی تنقید کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے بلکہ ان کے ادبی مطالعے ومشاہدے کی گہرائی وگیرائی کا بھی پتہ چلتا ہے:

☆ '''بےجسم' ایک عمدہ نفسیاتی کہانی ہے جس پر سریندر پرکاش کے 'بجوکا' کی چھاپ صاف طور پر نظر آتی ہے۔فرق صرف اتنا ہے کہ اس کہانی میں بجوکا کو شہر میں ایک گھر گرہستی عورت کی خبر گیری کرنی پڑی ہے۔'' ۱۰

☆ ''ناول کا مقصدی پہلو اسے امتیاز بخشتا ہے۔ اس مقصدی پہلو میں محمد ارمان حسین نذیر احمد،اور عبدالحلیم شرر کے نقش قدم پر گامزن ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ '' ۱۱

☆ ''زیر نظر مجموعے میں پندرہ افسانے ہیں۔ان افسانوں میں رومانویت صاف طور پر نظر آتی ہے مگر زندگی کی تلخ حقیقتوں سے گریز نہیں کیا گیا ہے۔ان کے یہاں کرشن چندر کی طرح ہی رومانوی نثر ملتی ہے جو حقیقت کو پُر اثر انداز میں بیان کرنے میں کامیابی ہوتی ہے۔ '' ۱۲

☆ ''ایک شعر میں انہوں نے ساحرؔ لدھیانوی کی طرز پر تاج محل بنانے والے لوگوں کا درد بھی بیان کیا ہے۔

؎ بنا کے ایک حسین و جمیل تاج محل

کمال شہر میں آکر ، یہ بے گھروں نے کیا '' ۱۳

بدکی کے تنقیدی وتحقیقی مضامین کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ وہ ایک اچھے تنقیدی شعور کے مالک ہیں۔اپنے مضامین میں انھوں نے بحثیت تنقید نگار گاہے بہ گاہے جو کچھ بھی لکھا ہے وہ بڑی قدرو منزلت کا حامل ہے۔ ان کی فکر مندانہ، بے باک اور بلا تعصب ناقدانہ سوچ کو کوئی بھی نظر انداز نہیں کر سکتا ۔بدکی کی تنقیدی تحریروں میں ان کی افتادِ طبع اور ان کے ذہنی رجحانات صاف جھلکتے ہیں ۔ ماحول کے اثرات کو بھی بدکی نظر انداز نہیں کرتے ۔تبحر علمی ان کے تنقیدی شعور کو جِلا بخشتی ہے ۔مغربی ادب کو انھوں نے بغور پڑھا ہے اور مغربی

تنقید سے وہ اچھی طرح واقف ہیں، اسلئے ان کے تنقیدی مضامین میں ادب پاروں کی پرکھ جدید فکر وسوچ کا احساس کراتی ہیں۔

دیپک بدکی ادب کی پرانی روایات کے مقابلے نئی روایات اور اقدار کے حامی ہیں۔ وہ زندگی اور ادب دونوں کو لازم وملزوم سمجھتے ہیں اور ان کو تنقیدی زاویہ نظر سے دیکھتے ہیں۔ ان کا مزاج دوستانہ ہے۔ وہ اپنے دوستوں کی صحبتوں کے اثرات کو بھی منفرد اسلوب میں قلم بند کرتے ہیں۔ انھوں نے اپنے مضامین میں ادیبوں اور شاعروں کی زندگی کے حالات بخوبی بیان کیے ہیں اور ان کی ادبی قدر و قیمت کا کامیابی کے ساتھ تعین بھی کیا ہے۔ بعض مضامین میں انھوں نے بڑی وسعت پیدا کی ہے جبکہ زبان اور انداز بیان کو بڑی ہی سادگی کے ساتھ تحریر کیا ہے۔ بہرحال بدکی کی تنقید میں یہ خصوصیات نمایاں ہیں جن سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی ہے۔

☆☆

باب: چہارم : دیپک بدکی کا تنقیدی شعور

حوالہ جات

صفحہ	مصنف/ مدیر	مضمون / تصنیف	نمبر
۱۲۰_۱۲۲	(پروفیسر محمود الٰہی اور دیگر اراکین)	بحوالہ منتخب نظمیں	(۱)
ابتدائیہ	دیپک بدکی	بحوالہ عصری تحریریں	(۲)
۳۲_۳۳	آسیہ سیفی	بحوالہ سہ ماہی انتساب، سرونج ۲۰۰۷ء (گوشہ دیپک بدکی)	(۳)
۴۱	پروفیسر سلیم اختر	تنقیدی دبستان	(۴)
۳۵	نذیر فتح پوری	بحوالہ سہ ماہی اسباق پونہ، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۷ء (گوشہ دیپک بدکی)	(۵)
۱۹۴	دیپک بدکی	سفرنامے 'آٹھ سفرنامے' قاضی مشتاق احمد ، بحوالہ عصری شعور	(۶)
۱۲۶	دیپک بدکی	شعری مجموعہ 'دشتِ تنہائی' سیدہ نسرین نقاش ، بحوالہ عصری تحریریں	(۷)
۱۰۷	دیپک بدکی	ناول 'شہر میں سمندر' شاہد اختر ، بحوالہ عصری تحریریں	(۸)
۲۵	دیپک بدکی	مضامین 'مانک ٹالا کی افسانہ نگاری' ، بحوالہ عصری تحریریں	(۹)
۱۱۱	دیپک بدکی	افسانوی مجموعہ 'نئی صدی کا عذاب' ، بحوالہ عصری تحریریں	(۱۰)
۱۸۳	دیپک بدکی	ناول 'ترشول' ، بحوالہ عصری شعور	(۱۱)
۱۲۸	دیپک بدکی	افسانوی مجموعہ 'گہن، خواب اور کلیاں' سمیرا حیدر ، بحوالہ عصری تحریریں	(۱۲)
۲۱۴	دیپک بدکی	شعری مجموعہ 'شہر کے فصیلوں سے' نور منیری ، بحوالہ عصری شعور	(۱۳)

☆☆☆

باب: ۴.۱

دیپک بدکی بحیثیت تنقید نگار

اردو افسانوی ادب میں جن لوگوں نے بہت جلد اپنے کمالِ فن کی چھاپ چھوڑ دی ان میں دیپک بدکی کا نام بھی شامل ہے۔ سترہ سال کی مختصر مدت میں ان کے چار افسانوی مجموعے منظر عام پر آ چکے ہیں۔ ان کا نام نہ صرف ہندوستان بلکہ پاکستان، برطانیہ، امریکا، سکینڈ نیویا، آسٹریلیا، جرمنی کے اردو حلقوں میں بھی مقبول ہے۔ افسانوں کے علاوہ ان کے تنقیدی مضامین اور تبصرے بھی ملکی اور غیر ملکی رسائل و اخبارات کی زینت بن چکے ہیں اور قارئین سے دادِ تحسین پا چکے ہیں۔ تنقیدی مضامین و تبصروں پر ان کی دو کتابیں شائع ہو چکی ہیں، 'عصری تحریریں' اور 'عصری شعور'۔ دونوں کتابیں ان مضامین و تبصروں پر مشتمل ہیں جو مختلف رسالوں میں وقتاً فوقتاً چھپ چکے ہیں۔

دیپک بدکی بنیادی طور پر افسانہ نگار ہیں جن کے افسانے ہندوستان، پاکستان اور اردو کی نئی بستیوں میں بڑے انہماک سے پڑھے جاتے ہیں۔ تنقید کے میدان میں ان کا داخل ہونا محض اتفاق ہے جس کے بارے میں وہ خود ہی 'عصری تحریریں' کے حرف اوّل میں رقم طراز ہیں:

> '' ہوا یوں کہ ماہنامہ انشاء کے مدیر ف س اعجاز نے اپنی تصنیف 'صاحب فن' میری رائے جاننے کے لیے بھیج دی۔ رائے قلم بند کرنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ میں کتاب پڑھوں، سمجھوں اور پھر اپنے تاثرات لکھ دوں۔ سو میں نے ایسا ہی کیا۔ پھر نہ جانے کہاں سے کتابوں کا ایک سیلاب سا آیا۔ ادھر مصیبت یہ کہ دن بھر دفتری کام سے اتنی تھکاوٹ ہو جاتی کہ رات میں نہ پڑھنے کو جی کرتا اور نہ ہی لکھنے کو۔ پھر بھی ضمیر اس کی اجازت نہیں دیتا تھا کہ محض کتاب کی رسید بھیج دوں یا پھر سرسری طور پر دو چار صفحات پڑھ کر ایک آدھ صفحہ کالا کر دوں۔'' ۱

دیپک بدکی کا تنقیدی میدان میں اترنے کا مقصد یہ نہیں تھا کہ ان کو لوگ نقاد کی حیثیت سے جانیں بلکہ ان کے پیش نظر بڑا ہی ارفع منصب تھا۔ وہ صرف عصری قلم کاروں یا ان کی تصانیف پر تنقیدی مضامین و تبصرے لکھتے رہے تاکہ ان تصانیف کا مثبت پہلو قارئین کے سامنے آئے اور وہ اوریجنل تصنیف کو پڑھنے کے لیے راغب ہو جائیں:

> '' میں پروفیشنل نقاد ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا نہ ہی مجھے انتقادیات سے بہت زیادہ تعلق ہے۔ البتہ ان کاوشوں کی غرض و غایت صرف اتنی ہے کہ میں ہم عصر ادیبوں کے لیے مدد و معاون **(Facilitator)** کا رول ادا کر سکوں اور اس طرح تخلیق کاروں اور قارئین کے درمیان پُل باندھنے کا کام کر سکوں۔'' ۲

اپنے مقصد میں دیپک بدکی کہاں تک کامیاب ہو چکے ہیں، اس بات کی تصدیق جموں و کشمیر کے معروف جدید افسانہ نگار اور ٹی وی اسکرپٹ رائٹر ویریندر پٹواری کے مندرجہ ذیل خیالات سے ہوتی ہے جو انھوں نے 'عصری تحریریں' میں ان پر لکھے مضمون کے حوالے سے تحریر کیے ہیں:

> '' ان مضامین میں تنقید نگار نے نہ صرف علامتوں کی وضاحت کی ہے بلکہ قارئین کو ہندو مائتھولوجی

خاص طور پر پرانوں اور پنچ تنتر کی تلمیحات کو سمجھنے میں مدد کی ہے۔ یہ دونوں صحیفے برصغیر کے انمول اثاثہ ہیں۔
تلمیحات (Allegories) کے بارے میں قارئین کو ایک Concept تو دیا ہے۔ ؎۳

اپنی تنقیدی تکنیک کے متعلق دیپک بدکی مزید لکھتے ہیں کہ:

'' چونکہ میری شخصیت میں سائنسی سوچ وفکر رچی بسی ہے اس لیے ان مضامین میں موضوعیت کے بدلے زیادہ تر معروضیت نظر آئے گی۔ ذاتی تعصب اور نظریاتی تضاد سے میں نے حتی المقدور گریز کیا ہے۔ ؎۴

ایسا دیکھا گیا ہے کہ جو قلم کار خود تخلیق سے وابستہ ہوتے ہیں وہ عام طور پر اپنے مضامین یا تبصروں کو جارگن اور اصطلاحات سے پاک رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کا تخلیق کے خالق کی جانب ہمدردانہ رویہ ہوتا ہے اور وہ بال کی کھال اتارنے کے بجائے تخلیق کے مثبت ومنفی پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ دیپک بدکی کا بھی یہی حال ہے۔ اس بارے میں مشہور شاعر عالم خورشید اپنے مضمون 'عصری تحریریں۔ ایک جائزہ' میں یوں رقم طراز ہیں:

'' چونکہ وہ خود تخلیقی کرب سے واقف ہیں لہٰذا ان کے مضامین میں تخلیقات کے ساتھ ایک ہمدردانہ رویہ صاف دکھائی دیتا ہے۔ وہ ایک خوش فکر اور مثبت نظریہ رکھنے والے فنکار اور انسان ہیں اس لیے ہر تخلیق کی خوبیوں تک ان کی نگاہ فوراً پہنچ جاتی ہے۔'' ؎۵

اسی حوالے سے رئیس الدین رئیس بھی دیپک بدکی کی تنقیدی صلاحیت پر اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں:

'' جہاں تک تنقید کا تعلق ہے وہ ذاتی اختلافات اور نظریاتی تعصّبات سے بالاتر ہو کر تنقیدی امور پر قلم اٹھاتے ہیں۔ خاص بات یہ بھی ہے کہ انھوں نے صرف عصر حاضر کے فنکاروں پر ہی قلم اٹھایا ہے۔'' ؎۶

مختصر یہ کہ دیپک بدکی کے تنقیدی مضامین اور تبصرے تخلیق کار کی روح تک پہنچنے میں مدد کرتے ہیں اور قاری کو یک گونہ تشفی حاصل ہوتی ہے۔

☆☆

باب: ۱ . ۴ : دیپک بدکی بحیثیت تنقید نگار

حوالہ جات

نمبر	مضمون / تصنیف	مصنف / مدیر	صفحہ
(۱)	بحوالہ عصری تحریریں	دیپک بدکی	۱
(۲)	ایضاً	,, ,,	۱
(۳)	بحوالہ سہ ماہی انتساب، سرونج ۲۰۰۷ء (گوشہ دیپک بدکی)	آسیہ سیفی	۳۰_۳۱
(۴)	بحوالہ عصری تحریریں	دیپک بدکی	۱
(۵)	بحوالہ سہ ماہی 'رنگ' دھنباد، جولائی۔دسمبر ۲۰۰۷ء		۱۳۶_۱۳۹
	بحوالہ ورق ورق آئینہ: دیپک بدکی شخصیت اور فن مرتبین	۱) پروفیسر شہاب عنایت ملک ۲) ڈاکٹر فرید پربتی ۳) ڈاکٹر انور ظہیر انصاری	۲۱۰
(۶)	بحوالہ ہفت روزہ نوائے ڈگر، جموں اگست ۲۰۰۷ء		۲
	بحوالہ ورق ورق آئینہ: دیپک بدکی شخصیت اور فن مرتبین	۱) پروفیسر شہاب عنایت ملک ۲) ڈاکٹر فرید پربتی ۳) ڈاکٹر انور ظہیر انصاری	۲۱۴

☆☆

باب: ۴ . ۱ . ۱

عصری تحریریں ۔ تنقیدی مضامین

(اشاعتِ اوّل............۲۰۰۶ء)

دیپک بدکی کا پہلا تنقیدی مضامین اور تبصروں کا مجموعہ 'عصری تحریریں' اکتوبر ۲۰۰۶ء میں منصۂ شہود پر رونما ہوا۔ اس مجموعے میں معروف افسانہ و مزاح نگار مانک ٹالا پر مقالہ، گلزار، ویریندر پٹواری اور برج پریمی پر تنقیدی مضامین، اور اکیاون (۵۱) کتابوں پر تبصرے درج ہیں۔اس کتاب کے بارے میں مشہور نقاد وارث علوی نے تنقید نگار کے نام اپنے ایک خط مورخہ ۵ فروری ۲۰۰۷ء میں مندرجہ ذیل خیالات کا اظہار کیا ہے:

''آپ کی کتاب 'عصری تحریریں' پوری پڑھ ڈالی۔اس لیے خط لکھنے میں دیری ہوگئی۔بہرحال کتاب بہت پسند آئی،خصوصاً افسانہ نگاروں پر مضامین بڑی دلچسپی سے پڑھے۔ان میں سے بہت سوں سے میں واقف نہیں تھا۔ ایک تو یہی تجسس تھا کہ جانوں وہ کیا لکھتے ہیں۔پھر آپ نے ان کا تعارف ایسے جامع طریقہ پر کرایا کہ ان کی تحریروں سے پوری واقفیت ہوگئی۔اسی طرح شاعری کے باب میں صلاح الدین نیّر اور حنیف ترین پر آپ کے مضامین اچھے لگے۔ بہت سے انجان کشمیری شعراٗ کا بھی تعارف حاصل ہوا۔تنقید میں ڈاکٹر ظہیر انور کی کتاب ساحر لدھیانوی پر آپ کا تبصرہ پسند آیا۔۔نظم،افسانہ،تنقید تینوں پر آپ کو دسترس حاصل ہے۔ آپ کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ آپ مغربی ادب کا مطالعہ بھی کرتے رہتے ہیں۔'' [۱]

'عصری تحریریں' میں سات ابواب شامل ہیں جن میں دو ابواب تنقیدی مضامین کے لیے مختص ہیں۔(۱) باب مانک ٹالا،(۲) باب متفرق مضامین،(۳) باب نثر،(۴) باب شاعری،(۵) باب تذکرہ ،(۶) باب تنقید و تحقیق،اور(۷) باب متفرقات۔'باب مانک ٹالا' میں معروف افسانہ نگار،مزاح نگار و ماہر پریم چندیا مانک ٹالا کی شخصیت اور فن کے بارے میں سات مضامین تحریر کیے گئے ہیں جبکہ 'باب متفرق مضامین' میں فلمی شخصیت و ادیب گلزار،اور دو کشمیر نژاد افسانہ نگاروں ویریندر پٹواری اور برج پریمی پر مضامین شامل ہیں۔

➤ باب مانک ٹالا :

اس باب میں کل چھ مضامین ہیں جن میں مانک ٹالا کی حیات اور ان کی ادبی خدمات کو مفصل اور جامع انداز میں تحریر کیا گیا ہے گویا کوزے میں سمندر بھر دیا گیا ہے۔ان چھ مضامین میں اتنی گہرائی اور گیرائی ہے کہ ان سے تحقیقی مقالے کا گماں ہوتا ہے۔اس بارے میں قیصر تمکین کے خط کا اقتباس پیش خدمت ہے:

''ہاں مانک ٹالا بہت معمر تجربہ کار اور متین و شائستہ ادیب ہیں۔آج کی بالکل ہی نئی نسل میں بھی شاذ ہی کوئی ایسا ہوگا جو ان کے افکار و نگارشات سے ناواقف ہو۔مانک ٹالا صاحب کی خدمات کا خاطر خواہ اعتراف تا حال نہیں کیا جا سکا ہے۔آپ نے اپنے مجموعۂ مضامین میں بڑی حد تک یہ کمی پوری کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ کتاب کے شروع میں جو چھ مضامین ان کے بارے میں ہیں وہ اگر تھوڑی اور

محنت کر کے منضبط کیے جائیں تو ایک جامع اور بسیط مقالے کی صورت اختیار کر سکتے ہیں۔ایک ایسا مقالہ جوان تحریروں سے بہر حال بہتر ہوگا جو گھوٹ گھاٹ کرار دوخور حضرات پی ایچ ڈی کما لیتے ہیں۔'' ۲

پہلے مضمون 'مانک ٹالا۔نقوش حیات' میں دیپک بدکی نے مانک ٹالا کے خودنوشت افسانوں سے ان کی حیات کے مختلف گوشوں کا پتہ لگایا ہے اور قارئین کو ان سے روشناس کرانے کی کوشش کی ہے جو قابل داد ہے کیوں کہ مانک ٹالا کی کوئی خودنوشت سوانح دستیاب نہ تھی۔اس پر طرّہ یہ کہ خود مانک ٹالا نے ،دو واقعات کو چھوڑ کر جو بقول ان کے تصوراتی واقعات ہیں اور ان کی زندگی سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے ،اس مضمون کی ، جو جدید فکر وفن میں چھپ کر ان کی نظر سے گزرا تھا، اپنے ایک مراسلے میں تصدیق کی تھی۔

☆ ''ہمارا قصبہ باغبان پورہ شہر لاہور سے لگ بھگ پانچ میل کے فاصلے پر شیر شاہ سوری کی مشہور جرنیلی سڑک کے دونوں طرف بسا ہوا تھا۔اور اس کے قریب ہی شاہ جہاں کا مشہور عالم شالیمار باغ تھا۔یہ میلا اسی باغ کے اندر، باہر اور گردونواح میں منایا جاتا تھا۔

''کہتے ہیں کہ اس باغ کی تعمیر کے دوران اور پھر بعد میں باغ میں لگے ہوئے انواع واقسام کے پھولوں کے باغات کی دیکھ بھال، ساخت و پرداخت کے لئے سینکڑوں باغبان ملازم رکھے گئے تھے جو اس باغ کے قرب وجوار میں اپنی جھونپڑیاں اور کچے مکان بنا کر رہنے لگ گئے تھے۔اس لئے ان گاؤں کا نام باغبان پورہ پڑ گیا تھا۔یہ چھوٹا سا گاؤں پھلتے پھولتے تیس چالیس ہزار کی آبادی والا قصبہ بن گیا تھا۔یہاں دو تین پرائمری اسکول اور ایک گورنمنٹ ہائی سکول بھی تھا۔'' ۳

☆ ''لاہور کے نواح میں ہمارا آبائی قصبہ باغبان پورہ کافی بڑا تھا لیکن ہماری برادری بہت مختصر تھی۔اسلئے سبھی رشتہ داروں میں بہت گہرا بھائی چارہ تھا۔'' ۴

☆ ''قصبے کے مسلمان حسبِ معمول باوجود ترقی کے پسماندہ ہی پسماندہ تھے کیونکہ انہیں ایک کے چار بنانے کا گُر نہیں آتا تھا بلکہ ان کے چار چار کے بھی ایک ایک بن رہے تھے۔(یعنی جن کی چار چار جائیدادیں تھیں 'ان میں سے تین قصبے کے ہندو ساہوکاروں کے پاس گروی پڑی تھیں)۔ ۵

☆ ''گاؤں میں ہمارا ایک کچا پکا مکان تھا جس پر راہگیر حسرت کی نظر ڈالتے ہوئے گزر جاتے تھے۔گھر کی بالشت بھر موروثی کھیتی اور اس سے آدھے رقبے کا آموں کا باغ بھی تھا۔لیکن میرے باپو کے حوصلے بڑے بلند اور وسیع تھے۔وہ مجھے پڑھا لکھا کر ایک بڑا افسر بنانا چاہتے تھے۔'' ۶

مذکورہ بالا حوالوں سے مانک ٹالا کی شروعاتی زندگی کے بارے میں صحیح طور پر جانکاری ملتی ہے جیسا کہ گوپال کرشن مانک ٹالا کا جنم ۲۱ ستمبر ۱۹۲۴ء کو پاکستان میں لاہور کے قریب قصبہ باغبان پورہ میں ہوا۔ان کے آبا و اجداد موتیوں کی تجارت کرتے تھے،اس نسبت سے وہ مانک ٹالا کہلائے۔تاہم مانک ٹالا کے گاؤں کا عکس کھینچتے ہوئے

اوران سبھی حالات کا جائزہ لیتے ہوئے بدکی یوں رقم طراز ہیں:

'' مانک ٹالا کا کنبہ نچلے متوسط درجے کا تھا۔گاؤں انتہائی پچھڑا ہوا تھا۔پانچ میل کی سڑک تھی،ایک مڈل اسکول تھا اور ایک ڈسپنسری تھی' جہاں اس کا چھوٹا بھائی زندگی کے بدلے موت سے ہمکنار ہوا تھا۔ '' ۷

دیپک بدکی نے مانک ٹالا کے تخلیقی سفر کے متعلق لکھا ہے کہ جس وقت انھوں نے اپنا قلم اٹھایا اس وقت بڑے بڑے ادیب جیسے کرشن چندر، سعادت حسن منٹو، اوپندر ناتھ اشک، قرۃ العین حیدر، خواجہ احمد عباس، عصمت چغتائی، اور احمد ندیم قاسمی وغیرہ اردو افسانوی ادب پر چھائے ہوئے تھے جس کے باعث نئے لکھنے والوں کو اپنی پہچان بنانا کافی مشکل ہو رہا تھا۔اسی دور میں مانک ٹالا نے اپنی پہلی طبع زاد کہانی 'آنکھ مچولی' کے نام سے امتیاز علی تاج کے رسالہ 'پھول' کو بھیج دی جو ۲۲ نومبر ۱۹۴۱ء کو شائع ہوئی لیکن انھوں نے اپنا باقاعدہ تخلیقی سفر آزادی کے بعد ہی شروع کیا۔دراصل آزادی سے قبل جو ادیب لکھ رہے تھے وہی عام طور پر آزادی کے بعد بھی فعال رہے لیکن مانک ٹالا نے آزادی کے بعد سنجیدگی سے قلم اٹھایا اور دیگر ادیبوں سے اپنا راستہ الگ کر لیا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ان کے تقابل میں ان کی شناخت بننی مشکل ہوگی۔اس طرح بدکی نے باضابطہ تحقیق کر کے مانک ٹالا کے ابتدائی تخلیقی سفر کے بارے میں معلومات فراہم کیں اور اس کی وجہ بھی دریافت کی کہ مانک ٹالا نے ظرافت اور مزاح نگاری کی جانب کیوں رخ کر لیا۔اس بارے میں دیپک بدکی فرماتے ہیں:

☆ ''مانک ٹالا نے نہ صرف افسانے لکھے بلکہ طنز و مزاح سے انہیں آراستہ بھی کیا۔انہوں نے کسی معروف افسانہ نگار کی تقلید کرنے کے بجائے اپنا ایک الگ راستہ چن لیا اور عمر بھر اُسی پر چلتے رہے۔ان کے یہاں ہلکے پھلکے، زندگی سے بھرپور افسانے ملتے ہیں جن کو پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ یہ واقعہ ہمارے ہی ارد گرد کہیں رونما ہوا تھا۔'' ۸

☆ '' افریقہ اور یورپ کی زندگی سے متاثر ہو کر مانک ٹالا نے کئی افسانے لکھے ہیں۔ '' ۹

☆ '' دیکھا جائے تو مانک ٹالا نے خود وہ صعوبتیں نہیں اٹھائیں جن سے عام پنجابی دوچار ہوئے تھے۔یہی وجہ ہے کہ ان کے قلم سے وہ تلخی نہیں ٹپکتی ہے جو ان کے پنجابی ہم عصروں کے قلموں سے ٹپک رہی تھی۔ '' ۱۰

دوسرا مضمون 'مانک ٹالا سے ایک مکالمہ' ہے جس میں دیپک بدکی نے اپنی تنقیدی و تحقیقی بصیرت کا سہارا لے کر مانک ٹالا سے پندرہ سوالات پوچھے ہیں جو مانک ٹالا کے خاندانی پیشے، حیات کے مخفی گوشوں، اور ادبی شوق و ذوق پر روشنی ڈالتے ہیں۔مکالمے کے دوران بدکی کی یہ کوشش رہی ہے کہ وہ مانک ٹالا کے فن پر ان کی زندگی کے اثرات کا پتہ لگائیں اور اس ماحول کے بارے میں جانکاری حاصل کر لیں جس ماحول میں انھوں نے قلم اٹھایا۔چنانچہ لکھتے ہیں:

'' افسانہ' ہوری کا دوسرا جنم ' بیداری گاؤں کے ایک غریب کسان کے بیٹے ہری رام کی کہانی ہے جو ہری رام سے' ہوری 'بن جاتا ہے جبکہ رائے صاحب ترقی کے زینے طے کرتا رہتا ہے اور مرزا خورشید عیاشیوں میں ڈوبا رہتا ہے۔ زمیندار، مہاجن ،ساہوکار آزادی کے بعد بھیس بدل کر ویسے ہی کام کرتے جیسے وہ آزادی سے پہلے کرتے تھے۔ سماج کا دوغلا پن تب دکھائی دیتا ہے جب داتا دین، جس نے چمار کو گھر میں رکھا ہوتا ہے ،اپنا شدھی کرن کروا کر پاک ہو جاتا ہے۔اس کے برعکس ہوری کے کھیت بٹ جاتے ہیں ،قرض داری بڑھ جاتی ہے، اس کی نرم روی اور مسکہ بازی کسی کام نہیں آتی۔ وہ گائے خریدنے کی تمنا کرتا ہے جو کبھی پوری نہیں ہوتی۔ ہوتی ہے تو اس کے اپنے بھائی گائے کو زہر کھلاتے ہیں مگر وہ تب بھی ان کو بچانے کیلئے مزید قرضہ لیتا ہے۔وہ کسان سے مزدور بن جاتا ہے۔ ہوری اور دھنیا کا بیٹا گوبر یہ سب برداشت نہیں کر پاتا اور شہر چلا جاتا ہے جہاں وہ پہلے تو اچھی خاصی کمائی کر لیتا ہے مگر بعد میں مصیبتوں میں گھر کر منشیات کے دھندے میں پکڑا جاتا ہے اور جیل چلا جاتا ہے جس کے سبب ہوری کی موت ہوتی ہے اور اس کی بیوی کے پاس ماسوائے بیس آنے پیسے کے گئو دان کے لیے کچھ نہیں ہوتا۔اس افسانے میں افسانہ نگار نے گئو دان کا قصہ موڈرن تناظر میں **Recreate** کرنے کی کوشش کی ہے اور اصلی متن سے کئی متن سے کئی پیراگراف جوں کے توں اپنے افسانے میں بھر دیئے ہیں جس سے یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ آج بھی پریم چند کی کہانی ہندوستانی معاشرے سے **Relevance** رکھتی ہے امیروں اور غریبوں کی دوریاں، زمینداروں مہاجنوں ساہوکاروں اور براہمنوں کے بدلے ہوئے چہرے، کسانوں کی مفلوک الحالی ،سرکاری مشینری کی ریاکاری ،پولیس کی دہشت گردی اور بددیانتی اس کہانی میں خوبی سے برتے گئے ہیں۔اس کہانی کا 'ہوری' آج بھی نرم روی کو اپنا کر زندہ رہنا چاہتا ہے مگر زندگی کی کشمکش میں ٹوٹ کر بکھر جاتا ہے۔ '' ۱۱

چونکہ دیپک بدکی خود بھی افسانہ نگار ہیں اس لیے انھیں افسانے کی جزئیات جیسے تھیم ،موضوع، پلاٹ، کردار، پس منظر وغیرہ پر غائر نظر رہتی ہے۔ باب' مانک ٹالا کی افسانہ نگاری' میں موصوف کے افسانوں کے موضوعات پر تنقیدی نظر ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

'' سودخوری' مانک ٹالا کا غالب موضوع رہا ہے۔ مبالغہ نہیں ہوگا اگر میں کہوں کہ یہ ان کا آبسیشن .... **Obsession** بن چکا ہے۔ان کے بہت سارے افسانوں کے کردار ساہوکار ہیں۔ وہ ساہوکاری بیان کرتے ہوئے خود کو دہراتے بھی ہیں۔ یہ مانا کہ انھیں ساہوکاروں کے ساتھ قربت ہونے کے سبب ان موضوعات کا ادراک ہے مگر ایسا کرنے سے افسانوں کی بوقلمونی اور گوناگونیت پر اثر پڑتا ہے۔ '' ۱۲

ایک جانب جہاں بدکی نے مانک ٹالا کی افسانہ نگاری کا تنقیدی تجزیہ کیا ہے تو دوسری جانب انھوں نے مانک

ٹالا کے فن کی انفرادیت کو اجاگر کرنے کے لیے بطور خاص ان کی مزاح اور ظرافت نگاری کو اپنے مضمون 'مانک ٹالا بحیثیت مزاح نگار' میں انتقادی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش کی ہے۔ اردو میں طنز و مزاح کے بارے میں پروفیسر آل احمد سرور نے بڑی اہم بات کہی ہے:

'' طنز و مزاح میں گہرا تعلق ہے۔ طنز کا ایک مقصد ہوتا ہے۔ یہ زخم لگا کر اصلاح کرنا جانتی ہے۔ مزاح صرف تضادات عجائبات ،قول و فعل کے فرق، ظاہر اور باطن میں بھید کی طرف اشارہ کر کے ناگوار کو گوارا اور نشیب و فراز کو ہموار کرنا سکھاتا ہے۔ مزاح میں طنز کی لے ضروری نہیں مگر طنز میں ادبیت اور دلکشی مزاح کی چاشنی سے آتی ہے۔ '' ۱۳؎

مانک ٹالا کی مزاح نگاری کے بارے میں دیپک بدکی کا خیال ہے کہ موصوف حساس اور دردمند دل رکھتے ہیں اور معاشرے میں ہو رہی ناانصافیوں، بے ضابطگیوں اور طبقاتی استحصال پر نعرہ بازی کرنے کے بجائے ان کو اپنے تیر و نشتر کا ہدف بناتے ہیں۔تنقید نگار نے ہر ایک مضمون کا الگ الگ تجزیہ کیا ہے اور ان پر اپنے تاثرات قلمبند کیے ہیں۔ان مضامین میں ظرافت کے حوالے سے اپنے خیالات کا یوں اظہار کرتے ہیں:

'' مانک ٹالا کے افسانوں، مزاحیہ خاکوں اور مضامین کے عنوانات بھی اپنے اندر ظرافت کا پہلو رکھتے ہیں جیسے عرب کا اونٹ، آنکھوں کا مرثیہ، تین بیویوں کا اکلوتا شوہر وغیرہ۔ اکثر و بیشتر افسانوں کی زبان رواں ، شگفتہ اور ظریفانہ ہوتی ہے۔ وہ ہلکے پھلکے انداز میں بڑی سے بڑی بات کہہ جاتے ہیں۔ افسانہ 'جوالا مکھی' میں ایک کردار کا یہ مکالمہ کتنا معنی خیز ہے۔ ''اجی کون حرامی ہے کون حلالی۔ کسی کو کیا پتہ۔ یہ راز تو ماؤں کے سینے میں دفن ہوتا ہے۔'' ان کے اکثر افسانوں میں ایسے فقرے ملتے ہیں جو طنز و مزاح کے اعلیٰ نمونے ہیں اور اپنے اندر دقیق سچائیاں چھپائے بیٹھے ہیں۔ '' ۱۴؎

دیپک بدکی نے مانک ٹالا کے طنز و مزاح کو لے کر نہ صرف مزاحیہ مضامین پر بحث کی ہے بلکہ ان کی کہانیوں میں ظرافت کے پہلو کو اجاگر کیا ہے جس کے سبب ان کے افسانے بڑے لطیف اور دل پذیر بن جاتے ہیں۔اس کے علاوہ بدکی نے مانک ٹالا کے سفر ناموں کا جائزہ بھی لیا ہے جن میں مزاح کی وہی چاشنی نظر آتی ہے جو افسانوں میں ملتی ہے۔ ملاحظہ ہو اس حوالے سے ایک اقتباس:

'' یہی حال مانک ٹالا کے سفر ناموں کا بھی ہے۔ وہ آپ کو اپنے ساتھ سیر کراتے ہیں اور ہر منظر میں مزاح کا پہلو ڈھونڈتے رہتے ہیں۔'' زقند مکرر'' میں لندن کے موسم کے بارے میں کہتے ہیں کہ 'لندن کا موسم وہاں کی ماہ لقاؤں سے بھی زیادہ سیماب صفت ہوتا ہے۔ '''پیرس ہائے پیرس' میں کپڑوں کی دھلائی کے بارے میں رقم طراز ہیں ''اُسی زمانے میں کہیں یہ بھی پڑھا تھا کہ پنڈت نہرو کے کپڑے پیرس کی کسی لانڈری سے ڈرائی کلین ہو کر آتے تھے۔ چنانچہ یہ تمنا بھی دل میں انگڑائیاں لیتی رہتی تھی کہ کم از

کم ایک بار ہم بھی اپنے کپڑے پیرس کی کسی لانڈری میں ڈرائی کلین کرائیں اور یار دوستوں پر اپنی برتری کا سکّہ جما کر آگ میں جلائیں۔'' 'سیر کرنا سلطنت روما کا' کا عنوان کسی داستان کی فصل کا عنوان لگ رہا ہے۔'' ۱۵

دیپک بدکی نے یکے بعد دیگرے کئی تنقیدی و تحقیقی مضامین لکھے ہیں جن کو پڑھ کر ان کی شخصیت کا ایک اور پہلو ناقد کے روپ میں سامنے آتا ہے۔ چنانچہ بدکی کا طبعی میلان سائنسی ہے اس لیے وہ نہ صرف یہ کہ ہر چیز کی چھان بین بڑی دقیقہ ریزی سے کرتے ہیں بلکہ ان کے یہاں معروضیت کا غلبہ نظر آتا ہے۔ دیپک بدکی کی یہ کوشش رہتی ہے کہ وہ تخلیق کار اور تخلیق کردہ تحریر کے ان تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالے جن سے تخلیق کار کا فکر و فن اور اس کے اسباب واضح ہو جائیں۔ ان کی یہ کوشش عبادت بریلوی کی سائنٹیفک تنقید کی تعریف میں صحیح طور پر سماتی ہے:

'' سائنٹیفک تنقید ادبی تخلیقات اور ان کے تخلیق کرنے والے فن کار سے متعلق تمام پہلوؤں پر بحث کرتی ہے اور اس زمانے کے سماجی حالات اور مروجہ خیالات کی روشنی میں ان کی اہمیت کا پتہ لگاتی ہے۔'' ۱۶

دیپک بدکی نے مانک ٹالا پر لکھے پانچویں اور چھٹے مضمون میں بالترتیب ان کی تحقیقی تصنیف 'توقیتِ پریم چند' اور ان کے مضامین کی کتاب 'پریم چند کا سیکولر کردار' کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ اس طرح انھوں نے مانک ٹالا کی تحقیقی صلاحیت پر روشنی ڈالی ہے اور قارئین کو پریم چند کے ایک اور مخلص محقق سے تعارف کروایا ہے۔ مانک ٹالا نے اس سے پہلے بھی پریم چند کی حیات اور کارناموں پر چار تحقیقی تصانیف تحریر کیے ہیں اور کوشش کی ہے کہ پریم چند کے ان گوشوں سے قارئین کو روشناس کرائے جو ابھی تک پردۂ اخفا میں رہے ہیں۔ انھوں نے پریم چند سے متعلق کئی غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے کی بھی کامیاب کوشش کی ہے۔ 'توقیت پریم چند' سے کچھ اقتباسات ملاحظہ کیجیے:

☆ '' البتہ 'توقیتِ پریم چند' تحقیق کے علاوہ ایک مکمل متی وار سوانح عمری ہے۔'' ۱۷

☆ '' پریم چند کی انسان دوستی اور ان کا سیکولر نظریہ مانک ٹالا کا خاص موضوع رہا۔ پریم چند کے دشمنوں کو جھٹلانے کی غرض سے انہوں نے سطحی جذباتیت کی بجائے عمیق مطالعے، تحلیل کردار اور منطقی استدلال سے کام لیا ہے اور اس کوشش میں وہ کامیاب بھی ہوئے ہیں۔'' ۱۸

☆ '' تاریخ ولادت سے لے کر ان کی زندگی سے جڑے چھوٹے بڑے واقعات و سانحات کی صحیح نشان دہی کی ہے جس کیلئے انہوں نے بڑی تندہی اور عرق ریزی سے پبلک اور پرائیویٹ لائبریریوں کو کھنگال ڈالا ہے۔ ۱۹

☆ '' ان کی کوتاہیوں پر پردہ داری کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی ہے۔ یہ باتیں صاف طور پر سامنے آتی ہیں کہ الٰہ آباد میں پریم چند نے ایک رکھیل رکھی تھی ، دوسری شادی کے موقع پر انہوں نے اپنے سسرال والوں سے جھوٹ بولا تھا کہ وہ غیر شادی شدہ ہیں اور پھر ایسے شخص نے ، جو عمر بھر سماجی بدعتوں

سے لڑتا رہا، خود اپنی بیٹی کی شادی میں جہیز دیا تھا۔ بندہ بشر ہے۔ ان خامیوں کے باوجود 'توقیتِ پریم چند' کے مطالعے کے بعد پریم چند کی شخصیت ایک مہان پُرش کی طرح ہمارے سامنے ابھر آتی ہے۔'' ۲۰

☆ '' سوز وطن سے لے کر منگل سوتر تک کا سفر کیسے طے ہوا اس کا زمانی ترتیب سے 'توقیتِ پریم چند' میں بہت ہی خوبی سے بیان ملتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ مانک ٹالا قاری کی انگلی پکڑ کر اُسے پریم چند کے گلشن حیات کی سیر کروا رہے ہیں۔'' ۲۱

☆ '' مذکورہ کتاب کے مطالعے سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ پریم چند نے صرف مالی وجوہات کے سبب اُردو سے ہندی کی طرف رجوع کیا۔ ایک جانب ہندی 'رنگ بھومی' کیلئے انہیں پندرہ سو سے زائد روپے بطور معاوضہ مل گئے اور دوسری جانب اردو کی سرد بازاری کی وجہ سے انہیں مسودوں کی نقل کرانے پر صرف کی گئی رقم بھی موصول نہیں ہوتی تھی۔'' ۲۲

دیپک بدکی نے توقیتِ پریم چند' کے بارے میں جو بھی تاثرات قلم بند کیے ہیں ان سے قارئین کو نہ صرف مانک ٹالا کی تخلیقیت کا اندازہ ہوسکتا ہے بلکہ پریم چند کی شخصیت اور فن پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ بدکی جس باریکی بینی سے کام لیتے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہے۔ مانک ٹالا کی ایک اور تحقیقی تصنیف 'پریم چند کا سیکولر کردار اور دیگر مضامین' پر تنقید کرتے ہوئے تنقید نگار لکھتے ہیں:

'' مانک ٹالا کی تازہ ترین تصنیف (تالیف کہنا زیادہ موزوں ہوگا) پریم چند کا سیکولر کردار اور دیگر مضامین' ان کی اس عرق ریزی کا نتیجہ ہے۔ تالیف میں مشمول مضامین کو بہ استثنائے چند ایک کے دو زمروں میں بانٹا جاسکتا ہے۔ ایک وہ جو پریم چند کے رشحات قلم پر مزید روشنی ڈالتے ہیں اور دوسرے وہ جو اردو زبان کی حیثیت **Status** پر بحث کرتے ہیں۔ '' ۲۳

اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ دیپک بدکی نے مانک ٹالا پر جو مضامین لکھے ہیں وہ اہم اور اچھوتے ہیں جن سے نہ صرف مانک ٹالا کی شخصیت اور فن پر بھرپور روشنی پڑتی ہے بلکہ خود بدکی کی تحقیقی اور انتقادی صلاحیت پر دال ہیں۔

➤ باب متفرق مضامین :

اس باب کے پہلے مضمون میں دیپک بدکی نے 'گلزار کی افسانہ نگاری' پر اپنی ناقدانہ نظر ڈالی ہے جس سے گلزار کے افسانوں کی فنی خصوصیات کا علم ہوتا ہے۔ اس مضمون میں درج کچھ باتیں ہمیں بدکی کی تاریخی و تنقیدی بصیرت کا بھی پتہ دیتی ہیں مثلاً انہوں نے گلزار کے ایک مشہور افسانے کو لے کر صحیح تاریخی واقعات کی جانکاری دی ہے:

''مائیکل انجیلو‘ایک اثر انگیز کہانی ہے جس میں ایک ننھا منا معصوم بچہ ماحول کی کثافتوں میں پل کر جوان ہوتا ہےاور پھر آوارہ گرد بدمعاش اور جرائم پیشہ بن جاتا ہے۔ مائیکل انجیلو کو جس بچے میں یسوع مسیح کی شبیہہ نظر آتی ہے وہی جوان ہوکر اس اسکیر یاٹ (یسوع مسیح کا دغاباز شاگرد) دکھائی دیتا ہے۔ یہ کہانی مشہور مصور اور سنگ تراش مائیکل انجیلو کی زندگی سے وابستہ ہے جس میں سنگ تراش نے اپنی ماں کی شبیہہ میں مریم کا عکس اور بولوگنا پَب کے باہر ایک معصوم بھوکے ننگے بچے میں ’ننھے منے یسوع‘ کا عکس دیکھا تھا اور انہیں ’میڈونا آف برجیس‘ کا ماڈل بنایا تھا۔ بہت سالوں کے بعد وہی بچہ جوان ہوکر ایسی شکل اختیار کرتا ہے کہ مائیکل انجیلو کو اس میں عیسیٰؑ کا غدار اور دغاباز شاگرد نظر آتا ہے جس نے سونے (؟) کے تیس سکوں کی خاطر اپنے پیرومرشد کو رومیوں کے حوالے کرکے اسے صلیب پر چڑھوادیا۔ اس کہانی میں تواریخی طور پر افسانہ نگار سے سہو قلم ہو چکا ہے۔ بقول افسانہ نگار یسوع کے تیرہ شاگرد تھے اور تیرہویں شاگرد نے تیس سونے کے سکوں کے عوض نمک حرامی کی جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یسوع کے بارہ شاگرد تھے اور نمک حرامی کرنے والے شاگرد نے محض تیس چاندی (سونے کے نہیں) کے سکوں کے عوض یسوع سے دغا بازی کی تھی۔ اس کے علاوہ ایک اور سہو جو افسانہ نگار سے ہوا ہے وہ یہ ہے کہ ’دی لاسٹ سپر‘ **(The Last Supper)** پینٹنگ مائیکل اینجیلو نے نہیں بلکہ لیونا رڈو ڈاونچی **(Leonardo DaVinci)** نے بنائی ہے۔'' ۲۴

ناقد جب کسی تخلیق میں رقم کیے گئے کسی تاریخی واقعے کی حقیقت پرکھتا ہے تو اس کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اس تاریخی واقعے کی تفصیل حاصل کرے۔ بدکی نے بھی ایسا ہی کیا۔ انھوں نے اس سے قبل ہی دو کتابیں انجیل مقدس اور مائیکل اینجیلو کی سوانح پر مبنی ناول ’دی اگنی اینڈ دی ایکسٹیسی‘ (The Agony and The Ecstasy) پڑھی تھیں اور آخر الذکر پر مبنی فلم بھی دیکھا تھا، اس کے باوجود انھوں نے گوا میں چرچ کے پادریوں سے رابطہ کرکے اصلیت جاننے کی کوشش کی اور اس کے بعد ہی اپنی رائے کا اظہار کیا۔ اس مضمون سے قاری ایک جانب گلزار کی مشہور کہانی سے روشناس ہوتا ہے تو دوسری جانب یسوع مسیح کی زندگی سے بھی آشنائی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ مشہور اطالوی مصور و سنگ تراش مائیکل انجیلو کی شخصیت اور فن کا تعارف بھی ملتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کہانی مائیکل انجیلو کی زندگی سے متاثر ہوکر لکھی گئی ہے۔ مائیکل اینجیلو نے اپنی زندگی میں حضرت عیسیٰؑ کی ماں مریم اور عیسیٰؑ کے کئی خوبصورت مجسمے بنائے ہیں۔ انھوں نے مریم کے لیے اپنی ماں کو ماڈل بنایا تھا جبکہ بولوگنا کے پَب کے باہر ایک غریب ننھے منے بچے کی معصومیت سے متاثر ہوکر اسکو عیسیٰؑ کا ماڈل بنایا تھا۔ یہی بچہ بڑا ہوکر اور گندے ماحول میں پل کر ایک لچا لفنگا اور آوارہ گرد بن جاتا ہے اور مائیکل اینجیلو کو اب اس کی شکل یسوع مسیح کے بے وفا شاگرد یہودا اسکیر یاتی، جس نے اپنے ہی محسن کو رومیوں کے ہاتھ بیچا تھا، سے ملتی جلتی نظر آتی ہے۔ افسانوی روپ سے قطع نظر

دیپک بدکی نے اس واقعے کی تاریخیت پر بحث کی ہے۔ایسی ہی ایک مثال امتیاز علی کی انارکلی میں بھی ملتی ہے۔انار کلی اور شہزادہ سلیم کے بارے میں کئی فکشن نگاروں اور ڈرامہ نگاروں نے قیاس آرائیاں کی ہیں مگر اصلی تاریخی واقعے کی تصدیق اب تک نہیں ہوسکی ہے۔ مائیکل اینجیلو سینٹ پیٹر کیتھیڈرل کی چھت پر انسان کی پیدائش اور ارتقاء(Genesis) کو تصویروں میں ظاہر کرنے کے لیے دنیا بھر میں مشہور ہیں۔علاوہ ازیں دیپک بدکی نے گلزار کی دیگر کہانیوں کا بھی تجزیہ پیش کیا ہے جسے پتہ چلتا ہے کہ ان کی اکثر کہانیاں فلمی دنیا سے ماخوذ ہیں کیونکہ وہ خود افسانہ نگار ہونے کے ساتھ ساتھ کامیاب فلم ہدایت کار اور نغمہ نگار بھی ہیں۔گلزار کی شخصیت سے متاثر ہوکر تنقید نگار نے اپنے جذبات واحساسات کو اس طرح بیان کیا ہے کہ اس میں جمالیاتی تنقید کا گماں ہوتا ہے:

”گلزار کی شخصیت نے مجھے خاص متاثر کیا۔سفید شفاف کرتے پائجامے میں ملبوس،لبوں پر مسکراہٹ تیرتی ہوئی،آنکھوں میں فکر و تردّد گلزار صاحب انکساری کا پیکر نظر آرہے ہیں۔وہ آس پاس سبھی لوگوں سے مل کر باتیں کرتے رہے اور بار بار کشتی کے باہر مانڈوی دریا کی موجوں میں کچھ ڈھونڈنے کی کوشش کررہے ہیں۔“ ۲۵

اسی باب کے دو اور مضمون ہیں: ’بے چین لمحوں کا تنہا مسافر۔ ویریندر پٹواری‘ اور ان کی کتاب ’افق‘ کا تجزیہ۔ اول الذکر مضمون میں دیپک بدکی نے کشمیر کے مشہور و معروف جدید افسانہ نگار ویریندر پٹواری کی شخصیت اور ان کی کہانیوں پر روشنی ڈالی ہے۔ چنانچہ ویریندر پٹواری بھی انھیں حالات سے روبرو ہوئے جن سے ۱۹۹۰ء میں تنقید نگار کا واسطہ پڑا تھا اس لیے دونوں ذہنوں کی ہم آہنگی فطری ہے۔البتہ ویریندر پٹواری کو اس کے بعد بھی کئی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا یہاں تک کہ وہ اس وقت جسمانی طور پر معذور ہیں،اٹھ بیٹھ نہیں سکتے اور نہ ہی بول سکتے ہیں مگر تب بھی قلم کا ساتھ نہیں چھوڑتے۔ان کے افسانوں کے بارے میں دیپک بدکی اپنے تاثرات یوں پیش کرتے ہیں:

”وادی سے ہجرت کرنے کے بعد ان کے بیشتر افسانے کشمیر سے متعلق ہیں۔انہوں نے اس سسکتی وادی کا کرب گھول کر اپنے افسانوں میں بھر دیا ہے۔“ ۲۶

ویریندر پٹواری ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں۔ کہانیاں لکھنے کے ساتھ ساتھ شاعری بھی کر لیتے ہیں، ڈرامے بھی لکھتے ہیں اور ٹی وی کے لیے اسکرپٹ بھی رقم کرتے ہیں۔ان کی اکثر کہانیاں موجودہ زمانے سے تعلق رکھتی ہیں مگر ان کا اسلوب علامتی اور تلمیحاتی ہے۔وہ اپنی کہانیوں میں ہندو اساطیر کے قصے کہانیوں کے حوالے دیتے ہیں۔اس بات کا ذکر تنقید نگار نے یوں کیا ہے:

”ان کی کہانیاں ہندو اساطیری ادب سے استفادہ کرتی ہیں۔ پورانوں اور پنچ تنتر سے انہوں نے کئی تلمیحات اپنی کہانیوں میں پیش کی ہیں۔ گوتم بدھ کی زندگی اور تعلیمات سے وہ خاصے متاثر نظر آئے ہیں۔شاید اس لئے کہ بدھ امن اور شانتی کے پیغامبر رہے ہیں۔ ان کے یہاں علامتوں،کنایوں اور استعاروں کی کثرت

ہے مگر اس کے باوجود وہ ترسیل کے المیے کے شکار نہیں ہوئے ہیں۔ان کا بیانیہ سیدھا قاری کے ذہن میں گھر کر جاتا ہے اور اس طرح وہ انتظار حسین کی تکنیک کے بالکل قریب دکھائی دیتے ہیں۔ '' ۲۷

ویریندر پٹواری کے افسانوی مجموعے 'اُفق' کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے دیپک بدکی اپنی رائے کا اظہار مندرجہ ذیل الفاظ میں کرتے ہیں:

'' زیرِ نظر کہانیوں کا مجموعہ 'اُفق' بیس کہانیوں پر مشتمل ہے۔ان میں سے اکثر و بیشتر کہانیاں کشمیری پس منظر میں لکھی گئی ہیں۔ وادیٔ کشمیر پچھلے پندرہ سالوں سے جن حالات سے نبرد آزما ہے ان کا ذکر معاصر ادب میں ہونا لازمی ہے خاص کر جب لکھاری خود کشمیری ہو اور ان حالات سے گزر چکا ہو۔ اس کرب کا بیان افسانہ 'ڈر' میں چیونٹی کے توسط سے پیش کیا گیا ہے۔'' مگر کچھ نہیں کر سکتی نا! ہاں اگر وہ ہاتھی جتنی بڑی ہوتی تب بات اور تھی۔ اف !اف!! وہ ہاتھی جتنی کیوں نہیں ہے! یا پھر ظلم وستم کے خلاف جنگ لڑنے کیلئے ہاتھ میں تلوار، تیر کمان یا بندوق کیوں نہیں ہے۔ '' ۲۸

اس باب کے چوتھا مضمون 'برج پریمی کی افسانہ نگاری' ہے جس میں اردو ادب کے مشہور افسانہ نگار اور ماہر منٹویات برج پریمی کی کہانیوں کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔وہ بھی بدکی کی طرح کشمیر سے نسبت رکھتے تھے۔ان کا پہلا افسانہ ۱۹۴۹ء میں 'آقا' کے نام سے امر جیوتی سرینگر میں شائع ہوا۔تنقید نگار نے ان کی کہانیوں کا تجزیہ نہ صرف تفصیل سے پیش کیا ہے بلکہ برج پریمی کی کہانیوں پر جن ادیبوں اور تحریکوں کے اثرات پائے جاتے ہیں ان کی نشاندہی بھی کی ہے:

'' برج پریمی کرشن چندر کے بہت بڑے شیدا تھے چنانچہ طبیعت میں واقعیت نگاری اور حقیقت پسندی رچی بسی تھی اس لئے کرشن چندر کی تحریروں سے انس ہو گیا اور پھر خود کرشن چندر کو بھی جموں وکشمیر سے خاصا لگاؤ تھا اور ان کی رومانوی طرز تحریر سے ایسا لگتا ہے جیسے وہ پریمی کے آس پاس کے ماحول کو ہی بیان کر رہے ہیں۔اس کے علاوہ احمد ندیم قاسمی کا اثر بھی برج پریمی کی تحریروں میں جابجا پایا جاتا ہے۔ '' ۲۹

دیپک بدکی خود افسانہ نگار ہیں اسلئے ان کا ادبی مطالعہ بھی گہرا اور وسیع ہے جس کی نسبت سے وہ کسی بھی ادیب کی افسانہ نگاری کو انتقادی کسوٹی پر پرکھنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ برج پریمی کی کہانیوں کا تجزیہ کرتے ہوئے وہ تاثراتی تنقید کا مظاہرہ کرتے ہیں۔چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

☆ '' (سپنوں کی شام): کرشن چندر کے اسٹائل میں لکھی ہوئی ایک رومان انگیز کہانی ہے۔'' ۳۰

☆ '' (خوابوں کے دریچے): اس کہانی میں منٹو کا رنگ چڑھا ہوا ہے۔کہیں کہیں کچھ الفاظ منٹو کی تحریروں سے مستعار لئے گئے ہیں مثلاً ٹھنڈا گوشت، کوکھ جلی، بانجھ وغیرہ '' ۳۱

☆ '' برج پریمی کے افسانوں میں جابجا مارکسی نظریۂ حیات کی عکاسی ملتی ہے۔ '' ۳۲

برج پریمی کے افسانوں پر تنقید کرتے ہوئے دیپک بدکی بے لوث و بے لاگ انداز میں مندرجہ ذیل تاثرات قلم بند کرتے ہیں:

'' برج پریمی کے افسانوں میں کئی کمزوریاں بھی نظر آتی ہیں۔ان کے افسانوں پر مارکسی فلسفے کی جو چھاپ نظر آتی ہے اس کی ترسیل کے لیے ترقی یافتہ صنعتی معاشرے(Industrial Society) میں کردار ڈھونڈنے پڑتے ہیں یا پھر ایسے جاگیردارانہ نظام میں جہاں غریب اور مظلوم کسانوں پر قہر ڈھایا جارہا ہو۔ چنانچہ کشمیر صنعتی شہر نہیں ہے اور ۱۹۴۷ء میں آزادی کے فوراً بعد یہاں زمینی اصلاحات عمل میں لائے گئے اس لیے مارکسی فلسفہ بے موقع اور بے محل ہو گیا۔کشمیر میں مستقل سکونت کے سبب پریمی نے اپنا ماحول محدود بنائے رکھا اور اس وجہ سے ان کے کرداروں میں تنوع نہیں ملتا۔کہیں کہیں ممبئی کی فلموں کا اثر افسانوں پر دکھائی دیتا ہے اور کہیں پر کرداروں کے نام بھی کشمیر کی فضا کے ساتھ میل نہیں کھاتے۔ برج پریمی نے کئی جگہ کشمیری الفاظ استعمال کیے ہیں۔اچھا یہ ہوتا کہ وہ اردو کے قاری کو ابتداء میں ان الفاظ کا معنی سمجھا دیتے تاکہ قاری کو ان الفاظ سے جوجھنا نہ پڑتا۔ پریمی کے آخری افسانوں میں منٹو کی جھلک تو ملتی ہے مگر یہاں بھی ان کی شریف النفسی اور ان کے ماحول کی قدامت پسندی آڑے آتی ہے۔کشمیر میں بالاخانے تھے نہ قحبہ خانے ،دلال تھے نہ طوائفیں ،جھونپڑپٹیاں تھیں نہ ناجائز داروکے اڈے۔پھر وہ منٹو کو اپناتا تو کیسے؟اس کا یہ مطلب نہیں کہ کشمیر میں انھیں لکھنے کا کچھ نہیں تھا۔ سیاست تھی،غنڈہ گردی تلے دبے مظلوم تھے،بے روزگاری تھی مگر زود حس موضوعات(Sensitive Issues) پر قلم اٹھانے کے لیے انھیں اپنی نوکری سے شاید ہاتھ دھونا پڑتا یا پھر جیل کی ہوا کھانی پڑ کیوں کہ ان دنوں نراج کا زمانہ تھا اور شاید پریم چند کی طرح وہ اتنی بڑی قربانی دینے کے لیے تیار نہ تھے۔ ''۔۳۳

☆☆

باب: ۱ . ۱ . ۴ : عصری تحریریں ۔تنقیدی مضامین

حوالہ جات

نمبر	مضمون / تصنیف	مصنف / مدیر	صفحہ
(۱)	بحوالہ ورق ورق آئینہ: دیپک بدکی شخصیت اور فن مرتبین	۱) پروفیسر شہاب عنایت ملک ۲) ڈاکٹر فرید پربتی ۳) ڈاکٹر انور ظہیر انصاری	۲۶۷
(۲)	ایضاً	" "	۲۷۹
(۳)	مادھولال حسینؒ۔افسانہ ، ہوری کا دوسرا جنم۔افسانوی مجموعہ	مانک ٹالا	۹
(۴)	بحوالہ مانک ٹالا۔نقوشِ حیات ، بحوالہ عصری تحریریں	دیپک بدکی	۳
(۵)	بحوالہ مانک ٹالا۔نقوشِ حیات ، بحوالہ عصری تحریریں	دیپک بدکی	۴
(۶)	عرب کا اونٹ۔افسانہ ، ہوری کا دوسرا جنم افسانوی مجموعہ	مانک ٹالا	۵۶
(۷)	مانک ٹالا۔نقوشِ حیات ، بحوالہ عصری تحریریں	دیپک بدکی	۴
(۸)	ایضاً	" "	۴
(۹)	ایضاً	" "	۸
(۱۰)	ایضاً	" "	۶
(۱۱)	ایضاً	" "	۲۵
(۱۲)	مانک ٹالا کی افسانہ نگاری ، بحوالہ عصری تحریریں	دیپک بدکی	۲۰
(۱۳)	بحوالہ سہ ماہی ادیب علی گڈھ، جولائی تا دسمبر ۱۹۹۳ء	مرزا خلیل احمد بیگ	۲۱۴
(۱۴)	مانک ٹالا بحیثیت مزاح نگار ، بحوالہ عصری تحریریں	دیپک بدکی	۳۴
(۱۵)	ایضاً	" "	۳۷
(۱۶)	اردو تنقید کا ارتقاء	عبادت بریلوی	۴۶
(۱۷)	توقیتِ پریم چند (تحقیق مانک ٹالا) ،بحوالہ عصری تحریریں	دیپک بدکی	۳۹
(۱۸)	ایضاً	" "	۳۹

(۱۹) ایضاً ” ” ۳۹

(۲۰) ایضاً ” ” ۳۹۔۴۰

(۲۱) ایضاً ” ” ۴۰

(۲۲) ایضاً ” ” ۴۰

(۲۳) پریم چند کا سیکولر کردار اور دیگر مضامین ، بحوالہ عصری تحریریں دیپک بدکی ۴۱

(۲۴)گلزار کی افسانہ نگاری ، بحوالہ عصری تحریریں دیپک بدکی ۴۶

(۲۵) ایضاً ” ” ۴۵

(۲۶) بے چین لمحوں کا تنہا مسافر ، بحوالہ عصری تحریریں دیپک بدکی ۵۶

(۲۷) ایضاً ” ” ۵۵

(۲۸) افسانوی مجموعہ ’اُفق‘ ویریندر پٹواری، بحوالہ عصری تحریریں دیپک بدکی ۶۱

(۲۹) برج پریمی کی افسانہ نگاری ، بحوالہ عصری تحریریں دیپک بدکی ۶۶

(۳۰) ایضاً ” ” ۷۱

(۳۱) ایضاً ” ” ۷۴

(۳۲) ایضاً ” ” ۷۵

(۳۳) ایضاً ” ” ۷۵۔۷۶

☆☆

باب : ۲ . ۱ . ۴

عصری شعور ۔ تنقیدی مضامین

(اشاعتِ اوّل................۲۰۰۹ء)

دیپک بدکی کی پہلی تنقیدی کتاب 'عصری تحریریں' کی پذیرائی اس بات کا ثبوت ہے کہ انھوں نے نہ صرف افسانہ نگاری میں ہی اپنا نام روشن کیا بلکہ تنقید کے میدان میں بھی اپنا لوہا منوایا۔ پہلی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے عالم خورشید فرماتے ہیں:

'' سر دست میرے سامنے دیپک بدکی کا نیا مجموعہ ہے لیکن یہ مجموعہ ان کے افسانوں پر مشتمل نہیں بلکہ 'عصری تحریریں ' کے عنوان سے ان کے مضامین اور تبصروں کا مجموعہ ہے۔ اس میں شامل مضامین اور تبصروں کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ بدکی شعر و ادب کے تئیں کس قدر سنجیدہ ہیں۔ ان کا مطالعہ کتنا وسیع ہے۔ وہ ہم عصر ادب پر کس شدت کے ساتھ غور وخوض کرتے ہیں۔ وہ بنیادی طور پر افسانہ نگار ہیں مگر ایسا بھی نہیں ہے کہ ان کی دلچسپی صرف افسانوی ادب تک محدود ہو اور وہ اسی پر اظہار خیال کرتے ہوں، افسانوی ادب کے علاوہ انہوں نے شعری ادب ،تنقید و تحقیق اور طنز و مزاح پر بھی مختلف مضامین لکھے ہیں جو ان کے کثیر الجہات اور کثیر المطالعہ ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔ '' [۱]

ابھی پہلی کتاب کو شائع ہوئے دو سال بھی نہ ہوئے تھے کہ دیپک بدکی کی دوسری کتاب 'عصری شعور' سن ۲۰۰۸ء میں میزان پبلشرز ، بالمقابل فائر اینڈ ایمرجنسی سروسز ہیڈ کوارٹرز ، بٹہ مالو، سرینگر نے شائع کی ۔ اس کتاب کے بارے میں خود مصنف 'حرفِ آغاز' میں یوں تحریر کرتے ہیں:

'' عصری شعور' تنقیدی مضامین اور تبصروں پر مشتمل میری دوسری تصنیف ہے۔ اس سے قبل 'عصری تحریریں سن ۲۰۰۶ء میں شائع ہو چکی ہے۔ ادیبوں، نقادوں اور قارئین نے جس قدر اس کتاب کو پسند کیا، وہ میری توقع سے کہیں زیادہ تھا۔ بڑی حوصلہ افزائی ہوئی۔ انجام کار میں نے تبصرے رقم کرنے کا شغل جاری رکھا۔ ساتھ ہی جب بھی موقع ملا تو چند ایک قلمکاروں پر بھرپور مضامین بھی لکھے جو اس تصنیف میں شامل ہیں۔ '' [۲]

'عصری شعور' میں تنقیدی مضامین اور تبصروں کو مصنف نے تین فصلوں میں تقسیم کیا ہے (۱) فصل اول ۔ مضامین (۲) فصل دوم ۔ جائزے (۳) فصل سوم ۔ تبصرے ۔ فصل اول میں سولہ تنقیدی مضامین ہیں جن پر ذیل میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ فصل دوم میں ایک افسانے کا تجزیہ ہے جبکہ فصل سوم میں پانچ ابواب شامل ہیں جن میں ۱۱ افسانوی مجموعوں، ۶ ناولوں، ۴ متفرق نثری کتابوں، ۱۰ شعری مجموعوں اور ۸ تنقیدی و تحقیقی کتابوں پر تبصرے شامل ہیں۔ ان پر آگے باب ۶.۲.۲ میں روشنی ڈالی جائے گی۔

➤ جموں و کشمیر میں اردو افسانہ :

'عصری شعور' کا پہلا مضمون بعنوان 'جموں و کشمیر میں اردو افسانہ' تحقیقی نوعیت کا مضمون ہے جس میں دیپک بدکی نے جموں و کشمیر میں اردو افسانے کی ابتداء اور ارتقاء پر بڑی ہی چابکدستی سے جائزہ لیا ہے۔ یہ مضمون کشمیر

یونیورسٹی کے اردو شعبے کے زیر اہتمام آل انڈیا سیمنار ’برصغیر میں اردو زبان ۔کل ،آج اور کل‘ (۲۷۔۲۹ اگست ۲۰۰۷ء) میں پڑھا گیا۔اس طرف مصنف نے ’حرفِ آغاز‘ میں اشارہ کیا ہے:

’’ مضمون ’جموں کشمیر میں اردو افسانہ‘ خاص طور پر کشمیر یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کی صد سالہ تقریب کے سلسلے میں لکھا گیا تھا۔ بعد میں یہ مضمون شعبے کے میگزین ’بازیافت‘ میں بھی شائع ہوا۔*‘‘ ۳؎

(*یہ مضمون بعد میں ماہنامہ شاعر ممبئی میں بھی شائع ہوا)

دیپک بدکی نے مضمون میں اس بات کا ذکر کیا ہے کہ انھوں نے عبدالقادر سروری، برج پریمی، اسداللہ وانی اور جان محمد آزاد کی اسی موضوع پر لکھی گئی نگارشات وتصنیفات سے استفادہ کیا ہے۔اس موضوع پر محمد ریاض کا مضمون ’ریاست جموں وکشمیر میں اردو افسانہ‘ بھی میری نظر سے گزرا ہے لیکن وہ اتنا واضح نہیں ہے جتنا کہ بدکی کا مضمون ہے۔اتنا ہی نہیں اس مضمون میں دیپک بدکی نے ریاست جموں وکشمیر میں اردو افسانے کی تاریخ اور ارتقاء، جموں و کشمیر کے تین علاقائی مراکز (کشمیر، جموں اور پونچھ) کے حوالے سے افسانہ نگاروں اور ان کے نمائندہ افسانوں یا افسانوی مجموعوں کی فہرست سازی، اور نئی نسل کے افسانہ نگاروں کے کوائف مختصراً درج کیے ہیں۔دیپک بدکی اس بات کی جانب اشارہ کرنا نہیں بھولے ہیں کہ اردو افسانہ کشمیر سے تعلق رکھنے والے افسانہ نگاروں کی مرہون منت ہے کہ جنھوں نے اس میدان میں نمایاں کام کیا ہے:

’’ اردو افسانے کی تواریخ جموں وکشمیر اور اس سے وابستہ افسانہ نگاروں کے ذکر کے بغیر نامکمل ہے۔اس ضمن میں رتن ناتھ سرشار، سعادت حسن منٹو اور کرشن چندر کے نام لینا ہی کافی ہے۔ ‘‘ ۴؎

دیپک بدکی نے اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ باوجود اس کے کہ جموں وکشمیر میں اردو سرکاری زبان کا درجہ رکھتی ہے اور کئی افسانہ نگار اس ریاست میں پیدا ہوئے ہیں پھر بھی یہاں کے افسانہ نگاروں کو قومی سطح پر فراموش کیا جاتا رہا ہے۔دیپک بدکی نے اپنے مضمون میں ہم عصر افسانہ نگاروں پر اپنی رائے بھی ظاہر کی ہے جسے ان کی تنقیدی صلاحیت کا پتہ چلتا ہے۔چند اقتباسات یہاں پر درج کیے جاتے ہیں:

☆ ’’ کشمیر کا ہر بدنصیب باشندہ بذاتِ خود ایک افسانہ ہے، جس کی طرف آج تک کسی نے توجہ نہیں دی..........
........یہاں کا سب سے بڑا مسئلہ غلامی، ہے، افلاس ہے، شخصی حکومت ہے۔(پریم ناتھ پردیسی) ‘‘ ۵؎

☆ ’’ وہ (نور شاہ) نہ صرف عورت کے حسن سے متاثر ہوتے ہیں بلکہ مناظر قدرت سے بھی جھوم اٹھتے ہیں۔ان کی تحریریں میں کشمیر کا حسن صبیح، ڈل جھیل کے پانیوں کی جھلملاہٹ ،دریائے جہلم کی روانی اور گلاب، یاسمن اور سنبل کی خوشبوئیں بسی ہوئی ہیں۔ ‘‘ ۶؎

☆ ’’ ان (ویریندر پٹواری) کی تحریروں میں علامتیں، استعارے ،اور پراچین ادب سے مستعار تلمیحات

جا بجا ملتی ہیں۔ وادی سے ہجرت کرنے کے بعد پٹواری کے بیشتر افسانے کشمیر سے متعلق ہیں۔ انہوں نے اس سسکتی وادی کا کرب گھول کر اپنے افسانوں میں بھر لیا ہے۔ '' ۷

☆ '' وادی کے حالات اور عصر حاضر کی بدعنوانیوں اور استحصال کے خلاف انہوں (نکہت نظر) نے اپنے افسانوں میں آواز اٹھائی ہے ان کا طرز اسلوب روایتی ہے اور ان کے افسانوں میں مقصدیت جلوہ گر ہے۔ '' ۸

➤ جموں و کشمیر کے افسانوی ادب میں قومی یکجہتی کے عناصر :

مضمون 'جموں و کشمیر کے افسانوی ادب میں قومی یکجہتی کے عناصر' بھی جموں یونیورسٹی میں ۲۔ا مارچ ۲۰۰۸ء کو منعقد ہوئے سیمنار کے لیے تحریر کیا گیا تھا۔ اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ اردو نے آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد قوم کو بیدار کرنے اور مختلف فرقوں میں اتحاد پیدا کرنے میں بڑا رول ادا کیا۔ چنانچہ جموں و کشمیر بھی کثیر النسل، کثیر المذہب اور کثیر الذبان ریاست ہے اس لیے یہاں بھی اردو ادیبوں نے قومی یکجہتی اور سیکولرازم کو مستحکم کرنے کے لیے ہمیشہ اپنا قلم اٹھایا۔ اس کی نشاندہی دیپک بدکی نے اس مضمون میں کی ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ کیجیے:

☆ '' نثر نگاروں میں پریم چند وہ پہلے افسانہ نگار تھے جنہوں نے حب الوطنی، قومی یکجہتی اور بھائی چارے کو موضوع بنا کر نئی نسل کو متاثر کیا۔ '' ۹

☆ '' ترقی پسند ادیبوں نے بھی قومی یکجہتی اور مذہبی رواداری کو بطور خاص اپنا موضوع بنایا۔ '' ۱۰

☆ '' پریم ناتھ پردیسی کا افسانہ 'نئی صبح' مذہب رواداری اور قومی یکجہتی کی عمدہ مثال ہے۔'' ۱۱

☆ '' پریم ناتھ پردیسی کے بعد ریاستی افسانہ نگاروں کا ایک کارواں ترقی پسند تحریک کے ساتھ جڑ گیا جن کا نصب العین جموں و کشمیر کے لوگوں کو سرمایہ دارانہ نظام سے چھٹکارا دلانا تھا۔ مارکسی نظریے کے زیر اثر ان افسانہ نگاروں کے لیے مذہب تعصب اور فرقہ وارانہ امتیاز مٹانا بہت ضروری تھا۔ '' ۱۲

☆ '' برج کرشن لابردساگر کاشمیری کا افسانہ 'زلزلہ' ۱۹۶۹ء میں ہمارادب میں شائع ہوا جس میں کشمیر کے ایک گاؤں کی زندگی درشائی گئی ہے اور مختلف فرقوں کے آپسی بھائی چارے کو اجاگر کیا گیا ہے۔ '' ۱۳

☆ '' عصری تناظر کا ایک اور اہم دستخط آنند لہر ہے۔ ان کی اکثر کہانیاں قومی یکجہتی، عالمی امن اور بھائی چارے کو موضوع بناتی ہیں۔'' ۱۴

☆ '' نئے افسانہ نگاروں میں سیدہ نکہت فاروق نے بھی قومی یکجہتی کے موضوع پر چند ایک خوبصورت افسانے رقم کیے ہیں۔ جیسے 'ایک خواب ادھورا سا اور آدھے ادھورے لوگ۔ '' ۱۵

☆ ''مجموعی طور پر دیکھا جائے تو جو روشنی کی کرن مہاتما گاندھی کو کشمیر میں قومی یکجہتی اور سیکولرازم کے حوالے سے دکھائی دی وہ جموں وکشمیر کے افسانوی ادب میں ضیا پاشی کرتی رہی ہے۔'' ۱۶

➤ کلاسیکی قدروں کا علمبردار ۔ میکشؔ کاشمیری :

کتاب کا تیسرا مضمون 'کلاسیکی قدروں کا علمبردار۔میکشؔ کاشمیری' ہے جس میں تنقید نگار نے کیلاش ناتھ کول میکشؔ کاشمیری کی شخصیت اور فن پر ناقدانہ نظر ڈالی ہے۔ دیپک بدکی نے موصوف کے کلام کا تجزیہ کرتے ہوئے نہ صرف اپنے تاثرات پیش کئے ہیں بلکہ ان وجوہ کو بھی پیش کیا ہے جو میکشؔ کی شاعری کے محرک بنتے رہے۔ میکشؔ کی شاعری پر لکھتے ہوئے نقاد کبھی جمالیاتی تنقید اور کبھی تاثراتی تنقید کا سہارا لیتے ہیں۔ چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

☆ '' جموں میں ایک مشاعرہ کے دوران جوش ملسیانی کے کلام سے اتنے متاثر ہوئے کہ ان کی خدمت میں زانوئے ادب تہہ کرلیا۔اسی سلسلے میں داغؔ دہلوی اور ابراہیم ذوقؔ کے دلی اسکول سے بھی جڑ گئے۔'' ۱۷

☆ '' میکشؔ کاشمیری خدا کی بارگاہ میں سوال اٹھاتے ہیں اور خوب اٹھاتے ہیں۔کہیں ان کے کلام میں کشمیری شاعرہ لل دید کی گونج سنائی دیتی ہے اور کہیں پر اقبالؔ کے فلسفۂ خودی کی۔ '' ۱۸

☆ '' ۱۹۹۰ء میں وادیٔ کشمیر میں اچانک دہشت گردی نے سر ابھارا جس کے نتیجے میں ساری کشمیر پنڈت برادری کو ترک وطن کرنا پڑا۔ اس سانحہ نے میکشؔ کاشمیری کے دل پر بہت گہرا گھاؤ پیدا کیا جو دھیرے دھیرے شعروں میں ڈھلتا رہا۔'' ۱۹

☆ '' میکش کاشمیری ایک دلکش شخصیت کے مالک ہیں اور یہ دلکشی ان کی شاعری میں بدرجہ اتم نظر آتی ہے۔ان کے کلام میں کشمیر کا حسن جا بجا اپنے جلوے بکھیرتا دکھائی دیتا ہے۔وہی کشمیر کی ہوائی تازگی اور لطافت، وہی کشمیر کے پھولوں کی خوشبو، وہی کشمیر کے طلوع سحر کی تابانی اور وہی شام کشمیر کے بادلوں کے غرقِ شفق ہونے کا منظر اور جہلم کی روانی۔'' (جگن ناتھ آزاد) ۲۰

➤ شرون کمار ورما کی افسانہ نگاری :

دیپک بدکی نے کئی افسانہ نگاروں کے فن کا انتقادی جائزہ لیا ہے چاہے وہ روایتی دور سے تعلق رکھتے ہوں یا ترقی پسند دور سے یا پھر دور جدید سے۔ 'شرون کمار ورما کی افسانہ نگاری' میں انھوں نے 'راگ رام کلی' کے حوالے سے دور جدید کے افسانہ نگار شرون کمار ورما کے فن اور تکنیک پر بحث کی ہے۔افسانوں کا مجموعہ 'راگ رام کلی' ۲۰۰۷ء میں شائع ہوا تھا۔اس مجموعے کی ہر کہانی کو بدکی نے نقد ونظر کے کسوٹی پر پرکھا اور وضاحت کے ساتھ ان کا تجزیہ کیا۔افسانہ نگار کے بارے میں تنقید نگار کے تاثرات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

''یہ بات سچ ہے کہ افسانہ نگار جدیدیت سے کافی متاثر رہے ہیں مگر انھوں نے اپنے افسانوں میں جو بھی بات کہی ہے یا کہنا چاہی ہے واضح طور پر کہی ہے۔ اس لیے ان کے افسانے ترسیل کے المیے کا شکار نہیں ہوئے ہیں۔ انھوں نے ایسے استعاروں، کنایوں اور تشبیہوں کا استعمال کیا ہے جو عام فہم ہیں اور قاری کو انھیں سمجھنے میں زیادہ دقّت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا ہے۔ ورما صاحب صرف ذات کے حصار میں بھی نہیں رہے ہیں بلکہ انھوں نے اپنے اردگرد کے ماحول کا دقیقہ شناسی سے تجزیہ کیا ہے اور ایسا کرنے میں انھیں معاشرے کی بھلائی مقصود ہے جو جدیدیت کے زمرے میں نہیں آتی ہے۔ انہی خوبیوں کے باعث شرون کمار ورما کے افسانے قاری کے دل و دماغ دونوں کو متاثر کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔'' ۲۱

◄ شبنم عشائی کی من بانی :

شبنم عشائی کشمیر کی نئی اور آزاد خیال آواز ہیں جنھوں نے روایتی غزل گوئی کے بدلے آزاد نظم کو ترجیح دی ہے۔ بقول تنقید نگار ''ڈاکٹر شبنم عشائی عصری ادب کی ایسی شاعرہ ہیں جو پڑھتی ہیں، سوچتی ہیں اور پھر لکھتی ہیں''۔ انھوں نے فلسفے میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کر لی ہے۔ ایم فل میں ان کا موضوع 'کاموکا فلسفۂ بیگانگی' (Camu's Concept of Alienation) تھا جبکہ پی ایچ ڈی کا موضوع 'بیگانگی کا وجودی نظریہ' (Existentialist Concept of Alienation) تھا۔ ظاہر ہے کہ ان کی شاعری میں وجودی فلسفے کی چھاپ ہوگی۔ بقول شاعرہ ''میری شاعری میرے دکھ درد کو پیش کرتی ہے کہ میں اپنے وجود کو معنی دینے کی تلاش میں نظمیں کہہ رہی ہوں'' ان کی شاعری پر اپنی رائے قلم بند کرتے ہوئے مصنف فرماتے ہیں:

''شبنم عشائی کی شاعری ذاتی کرب کی شاعری ہے۔ وہ نہ سماج کے مسئلوں پر منشور لکھتی ہیں اور نہ ہی 'واہ واہ' کی طلب میں گل و بلبل اور شمع پروانے کی باتیں کرتی ہے۔ وہ ایک مورت ہیں۔ وہی مورت جو خواب بنتی ہیں، جس کے دل میں ایک خوبصورت گھر بنانے کی آرزو ہے، اور جو اپنے محبوب کی محبت میں سرشار ہونا پسند کرتی ہیں تاہم انہیں اس بات کا شدید احساس ہے کہ عورت کے یہ خواب کبھی پورے نہیں ہوتے۔ کہیں بنا بنایا گھر ٹوٹ جاتا ہے، کہیں محبوب ہرجائی ہو جاتا ہے اور کہیں خود اسے دربدر ہونے کا فرماں جاری کیا جاتا ہے۔'' ۲۲

◄ کدارناتھ شرما کی سیدھی سادی کہانیاں، اور افسانہ نگار کدارناتھ شرما سے ایک مکالمہ :

مذکورہ بالا مضمون اور انٹرویو پنجاب کے معروف افسانہ نگار کدارناتھ کی شخصیت اور فن کا احاطہ کرتے ہیں۔ بقول

دیپک بدکی ’’ان (کدار ناتھ) میں مثالیت پسندی اور مقصدیت صاف طور پر نظر آتی ہے کیونکہ کدار ناتھ اپنے افسانوں کولذت پرستی اور ذہنی عیاشی کے بدلے سماجی تعمیر اور تشکیل کا ذریعہ بنانا چاہتے ہیں‘‘۔ان کی افسانہ نگاری کا تجزیہ کرتے ہوئے بدکی اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں:

☆ ’’ کدار ناتھ شرما ایسے زمانے میں فعال رہے جس وقت جدیدیت کا طوطی بول رہا تھا مگر ان کی وابستگی ترقی پسندوں سے رہی نہ جدیدیوں سے۔ وہ پریم چند اسکول کی روایت کو آگے بڑھاتے رہے اور واقعیت نگاری سے کام لیتے رہے۔‘‘ ۲۳؎

☆ ’’ ہندوستان کی وہ پیڑھی جو آزادی سے قبل پیدا ہوئی کسی نہ کسی طریقے سے گاندھی جی کے دائرہ اثر میں آگئی تھی۔ان کے اصولوں نے اس پیڑھی کو بہت متاثر کیا تھا۔ پھر کدار ناتھ شرما کیسے بچ پاتے۔ان کی بعض کہانیاں جیسے ستیہ آگرہ گاندھیائی نقطۂ نظر کو کامیابی سے پیش کرتی ہیں۔ ‘‘ ۲۴؎

مضمون میں دیپک بدکی نے کدار ناتھ شرما کے تین افسانوی مجموعوں کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔تنقید نگار کہیں ان کی کہانیوں کے ماحول کے بارے میں لکھتے ہیں تو کہیں افسانوں کے کرداروں کی بول چال کے بارے میں اپنی رائے دیتے ہیں۔غرض یہ کہ بدکی نے کدار ناتھ کے افسانوں کے اجزائے ترکیبی کا الگ الگ تجزیہ کیا ہے اور ان پر اپنی رائے دی ہے۔چند اقتباسات ملاحظہ کیجیے:

☆ ’’ کدار ناتھ آس پاس کے ماحول سے کہانیاں چنتے ہیں اور زندگی کی چھوٹی بڑی گھٹناؤں کو اپنی کہانیوں کا موضوع بناتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانوں میں بوقلمونی نظر آتی ہے۔ ‘‘ ۲۵؎

☆ ’’ چند ایک افسانوں میں تو ان کے کردار مقامی ہریانوی بھاشا میں ایک دوسرے سے مخاطب ہوتے ہیں۔ جس سے افسانے کا اثر دوبالا ہوتا ہے۔ملاحظہ کیجئے افسانہ ’کریلا اور دودھ کا کٹورا۔ ۲۶؎

’افسانہ نگار کدار ناتھ شرما سے ایک مکالمہ‘ میں بدکی نے افسانہ نگار سے گیارہ (۱۱) سوال پوچھے ہیں جن کے جواب موصوف نے کھلے ذہن سے دیے ہیں۔ان جوابات سے معلوم ہوتا ہے کہ کالج کے زمانے سے ہی کدار ناتھ کو ادب سے دلچسپی رہی ہے جس کی بدولت وہ پہلے شاعری اور بعد میں صنف افسانہ کی جانب راغب ہوگئے۔وہ کبھی بھی کسی تحریک یا گروہ سے نہیں جڑے۔بدلتے حالات نے انہیں شاعر،افسانہ نگار اور پھر ڈرامہ نویس بنا دیا۔ دیپک بدکی کا یہ طریقہ کہ افسانہ نگار سے رابطہ قائم کر کے ان سے ان نکتوں پر وضاحت طلب کریں جن سے ان کی شخصیت اور فن پر مزید روشنی پڑسکتی ہے، قابل تحسین ہے اور تنقید نگاری کے لیے بہت ہی اہم ہے۔اس طرح ادیب کے ان مخفی گوشوں پر روشنی پڑتی ہے جن کی جانب عام بطور پر نظر نہیں جاتی۔مضمون اور مکالمہ پڑھ کر کدار ناتھ کی شخصیت اور ان کے کارناموں پر بھرپور جانکاری حاصل ہوتی ہے۔

➤ ڈاکٹر کیول دھیر۔رومانوی افسانہ نگار :

ڈاکٹر کیول دھیر ہندوستان اور پاکستان دونوں ممالک میں مقبول ہیں۔'ڈاکٹر کیول دھیر۔رومانوی افسانہ نگار' میں دیپک بدکی نے ان کے کئی افسانوی مجموعوں جیسے 'بکھری ہوئی زندگی'، 'اپنا دامن اپنی آگ' وغیرہ کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ان کے یہاں رومانی حقیقت نگاری صاف طور پر نظر آتی ہے۔بقول خواجہ احمد عباس اور رام لعل ان کے افسانوں کو پڑھ کر کرشن چندر کی یاد آتی ہے۔البتہ 'چہار سو' راولپنڈی میں چھپے ان کے انٹرویو میں کیول دھیر فرماتے ہیں کہ ''میں کیول دھیر ہوں اور کیول دھیر کی اپنی انفرادیت ہے۔'' دیپک بدکی ان کے فن کے بارے میں اپنی رائے یوں دیتے ہیں:

> '' ڈاکٹر کیول دھیر اپنے آس پاس کے ماحول سے کردار اور پلاٹ چن لیتے ہیں۔ان کے اکثر افسانے متوسط طبقے خاص کر بالائی متوسط طبقے پر مبنی ہوتے ہیں۔اس طبقے کو انہوں نے بہت ہی قریب سے دیکھا ہے حالانکہ اس بات پر خواجہ احمد عباس نے ان پر اعتراض بھی کیا ہے کیونکہ اس وقت کے مزاج کے مطابق دھیر کے افسانوں میں مزدوروں اور کسانوں کی نمائندگی نہیں ملتی تھی۔کہیں کہیں ان کی افسانہ نگاری تصوریت اور حقیقت نگاری کو چھوڑ کر واقعیت نگاری میں قدم رکھتی ہے۔ '' ۲۷

➤ سماجی مسائل کا آئینہ دار۔بشیر مالیر کوٹلوی :

بشیر مالیر کوٹلوی مالیر کوٹلہ پنجاب کے معروف افسانہ نگار ہیں جو نہ صرف افسانے لکھتے ہیں بلکہ نئی نسل کو افسانے لکھنے کی طرف راغب بھی کرتے ہیں اور ان کی رہنمائی بھی کرتے ہیں۔ان کے تین افسانوی مجموعے بعنوان 'قدم قدم دوزخ'، 'سلگتے لمحے' اور 'چنگاریاں' منظر عام پر آچکے ہیں۔علاوہ ازیں وہ افسانچے بھی لکھتے ہیں۔مضمون 'سماجی مسائل کا آئینہ دار۔بشیر مالیر کوٹلوی' میں دیپک بدکی نے ان کے افسانوں پر سیر حاصل بحث کی ہے اور ان کو انتقادی کسوٹی پر پرکھا ہے۔کہیں کہیں وہ علامتوں کا استعمال بھی کامیابی سے کرتے ہیں۔چند تاثرات ملاحظہ ہوں:

- ☆ '' پریم چند اور کرشن چندر کی پرم پرا کو قائم رکھتے ہوئے بشیر مالیر کوٹلوی نے روایتی افسانہ نگاری کو اپنایا۔ '' ۲۸
- ☆ '' افسانہ 'داؤ پیچ' کا 'کھجور' اور 'پیپل' علامتیں ہیں بابری مسجد اور رام جنم بھومی کی۔ '' ۲۹
- ☆ '' انہوں نے معاصر مسئلوں پر اپنا قلم بے باکی سے اٹھایا ہے اور سچ کو سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔کہیں کہیں انہوں نے طنز کے نشتروں سے بھی کام لیا ہے۔ '' ۳۰

ظاہر ہے کہ بشیر مالیر کوٹلوی رومانی اور جنسی چٹخاروں کے بدلے سماجی اور سیاسی مسئلوں کو اپنے افسانوں کا موضوع بناتے ہیں۔تنقید نگار نے ان کے افسانوں کے بارے میں لکھا ہے کہ:

> '' موصوف کے افسانوں میں کہیں کہیں مشاہدہ کی کمی اور فرسٹ ہینڈ تجربے کی نایابی بھی نظر آتی ہے گو

ایسی مثالیں آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔ اس

➤ انل ٹھکر۔ڈرامے سے ناول تک کا سفر :

مضمون 'انل ٹھکّر۔ڈرامے سے ناول تک کا سفر' میں دیپک بدکی نے انل ٹھکّر، جو ایک جانے مانے ڈرامہ نگار ہیں، کے ڈرامے سے ناول تک کے تخلیقی سفر کا تجزیہ کیا ہے۔ بدکی نے ان کے کئی ڈراموں، افسانوں اور ناولوں کا جائزہ لیا ہے۔اس بات سے انکار کرنا ممکن نہیں کہ جب بھی کوئی تخلیق کار کسی مخصوص صنف ادب کو حد سے زیادہ پسند کرتا ہے اور اس کی جانب مسلسل توجہ دینے لگتا ہے تو اس کے ہر کام یا تخلیق میں اس صنف کے اثرات نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔انل ٹھکّر کے ہاں بھی یہی صورت حال ہے۔چنانچہ انل ٹھکّر کا ادبی سفر ڈرامے اور تھیٹر سے شروع ہوا ہے اس لیے ان کی دیگر ادبی اصناف مثلاً افسانہ اور ناول میں بھی ڈرامائی انداز تحریر دیکھنے کو ملتی ہے۔اس بارے میں تنقید نگار رقم طراز ہیں کہ:

''انل ٹھکّر کے افسانوں میں بھی وہی ڈرامائیت نظر آتی ہے جو ان کے ڈراموں میں دیکھنے کو ملتی ہے۔'' ۳۲

ظاہر ہے کہ انل ٹھکر کی توجہ زیادہ تر کرداروں اور مکالمات کی جانب رہی ہے۔انھوں نے اردو ادب کو کئی جاندار کردار دیے ہیں۔ان کے مکالمے چست اور دل میں سیدھے اتر جاتے ہیں۔ان کی نگارشات پر دیپک بدکی کے تاثرات ذیل میں درج ہیں:

> ''سب سے بڑی بات جو انل ٹھکّر کی تحریروں میں سامنے آتی ہے وہ ہے اپنے معاشرے کے دُکھ درد کو نچوڑ کر بوند بوند اپنے نثر پاروں میں سمو لینا۔اس میں انہیں کمال حاصل ہے۔اپنی وسیع النظری اور وسیع المشربی کی وجہ سے ان کی تحریروں کے تھیم آفاقی ہوتے ہیں اور انسانی بھائی چارے کا درس دیتے ہیں۔انل ٹھکّر تنزل آمیز اخلاقی قدروں پر نوحہ کناں ہیں اور ایک ایسے سماج کا خواب دیکھتے ہیں جس میں امن ہو، شانتی ہو، اور ہر انسان عزت اور وقار سے اپنی زندگی جی سکے۔'' ۳۳

➤ آئینوں کا پرستار۔پریمی رومانی :

مضمون 'آئینوں کا پرستار۔پریمی رومانی' میں دیپک بدکی نے شاعر پریمی رومانی کی شخصیت کے ساتھ ساتھ ان کے کلام کا جائزہ لیا ہے۔حالانکہ پریمی رومانی نے ابتدا میں افسانہ نگاری بھی کی لیکن ان کی پہلی پسند ہمیشہ شاعری ہی رہی ہے جس میں انھوں نے طرح طرح کے موضوعات پیش کیے ہیں۔بعد میں وہ تنقید و تحقیق کی جانب بھی راغب ہوئے اور اس حوالے سے کئی تصانیف شائع کیں۔ان کو ادبی ذوق ان کے والد برج پریمی سے ورثے میں ملا ہے۔دیپک بدکی نے ان کے کلام کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے مندرجہ ذیل خیالات کا اظہار کیا ہے:

''۱۹۹۰ء میں ڈاکٹر پریمی رومانی کو مجبوراً ہجرت سے دوچار ہونا پڑا۔اپنی دھرتی سے بچھڑ جانے کا غم ان کی تازہ شاعری میں جا بجا ملتا ہے۔ ''۳۴

پریمی رومانی نے شاعری کے علاوہ تنقید و تحقیق کے میدان میں بھی خوب سارا کام کیا ہے۔انھوں نے اقبالؔ کی شاعری اور جدید اردو شعراء جن کو اقبال نے متاثر کیا ہے پر دقیقہ ریزی سے بڑا ہی فکر انگیز مقالہ رقم کیا ہے جو اب کتابی صورت میں بھی سامنے آیا ہے۔اس کے علاوہ انھوں نے مشہور شاعر اور جدید غزل کے بانی مظہر امام کی شخصیت اور شاعری پر بھی مقالہ لکھا ہے جس پر انھیں جموں یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی گئی۔ پریمی رومانی کے فن پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے دیپک بدکی لکھتے ہیں:

''پریمی رومانی چنانچہ کشمیر میں پیدا ہوئے ،ان کی شاعری اور مضامین میں اس مٹی کی بو باس موجود ہے۔وہ اردو کے علاوہ کشمیری زبان میں بھی لکھتے ہیں۔ ان کے تنقیدی اور تحقیقی مضامین کا بغور جائزہ لیا جائے تو ان میں بیشتر مضامین ایسے ادیبوں پر ملیں گے جو یا تو کشمیری نژاد ہیں یا پھر کسی طور، جموں وکشمیر سے وابستہ رہے ہیں۔ ''۳۵

➤ خامۂ فرخ سے بہتی زندگی کی تصویریں :

فرخ صابری پاکستان کی معروف افسانہ نگار ہیں جو دماغ کے بدلے دل سے لکھتی ہیں۔'خامۂ فرخ سے بہتی زندگی کی تصویریں' میں دیپک بدکی نے ان کی شخصیت اور فن کو تنقید کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش کی ہے۔یہ اور بات ہے کہ مضمون رقم ہونے تک فرخ صابری نے اپنے افسانوں کو کوئی کتابی شکل نہیں دی تھی مگر ان کے افسانے کافی مقبول ہو چکے ہیں اور پاکستان و ہندوستان کے کئی معتبر جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔دیپک بدکی نے فرخ صابری کے تقسیم ہند کے پس منظر میں لکھے ہوئے ایک دلسوز افسانے پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے:

''شاردا' تقسیم ہند پر لکھی گئی ایک پر تاثیر کہانی ہے۔جس میں شاردا کی محبت میں مبتلا نکا اپنی معشوقہ کی جدائی کے تصور ہی سے بوکھلا جاتا ہے اور حالات کا فائدہ اٹھا کر گرسنگی اور بہیمیت کی پستیوں تک گر جاتا ہے۔اس کے برعکس اس کا بڑا بھائی نبی احمد اپنی جان پر کھیل کر لڑکی کو بچاتا ہے اور اس کے خاندان کو حفاظت کے ساتھ سرحد پار کرواتا ہے۔'' ۳۶

تنقید نگار نے فرخ صابری کے افسانوں کے اجزائے ترکیبی کا تجزیہ بھی بڑی خوبی سے کیا ہے وہ چاہے کردار ہوں یا پلاٹ یا پھر مکالمہ۔دراصل بدکی نے تنقیدی نقطۂ نظر سے ان کے افسانوں کے کردار، پلاٹ اور مکالموں پر یوں اپنے تاثرات درج کیے ہیں:

'' وہ کھلے ذہن سے اپنے اردگرد نظر ڈالتی ہیں ، پلاٹ لیتی ہیں ، کرداروں کا انتخاب کرتی ہیں اور زندگی کے

ناسوروں کو اپنی کہانیوں کا موضوع بناتی ہیں۔کردارنگاری میں بھی ان کے عمیق مشاہدے کو دخل ہے۔ ان کے کردار وہی مکالمے پیش کرتے ہیں جوان کی طبیعت کوراس آتے ہیں۔ چونکہ ان کے اکثر کردار پنجاب کی دھرتی سے تعلق رکھتے ہیں اس لیےان کے مکالموں میں پنجابی زبان کی بھرمار ہوتی ہے۔جو افسانے کی ضرورت بھی ہے۔ '' ۳۷

دیپک بدکی نے ایک اور جگہ ان کے افسانوں کے موضوعات کو لے کر قارئین کوان کی سوچ وفکر اور مقصد سے روشناس کرایا ہے۔وہ اپنے تاثرات کا اظہار یوں کرتے ہیں:

'' فرخ صابری کے افسانے ہم عصر زندگی کو آئینہ دکھاتے ہیں۔ وہ ایک ماہر سرجن کی طرح معاشرے کے ناسوروں کی چیر پھاڑ کرتی ہیں اور قارئین کواس طرف دعوت فکر دیتی ہیں تاکہ وہ ان مسئلوں پر غور کریں۔ وہ نہ تو تبلیغ سے کام لیتی ہیں اور نہ ہی نعرہ بازی میں یقین رکھتی ہیں۔ '' ۳۸

➤ ڈاکٹر رینو بہل کی افسانہ نگاری، اور ڈاکٹر رینو بہل سے ایک مکالمہ :

ڈاکٹر رینو بہل افسانے کی ایک معتبر نسائی آواز ہیں جو اپنے افسانوں میں خواتین کی کسمپرسی اور ان پر ہو رہے ظلم و ستم کی عکاسی کرتی ہیں مگر موجودہ دور کی بے تکی نسائیت سے گریز کرتی ہیں۔یہی نہیں وہ مردوں پر ہو رہے اتیاچار کو بھی قلم بند کرنے سے نہیں گھبراتی ہیں۔'ڈاکٹر رینو بہل کی افسانہ نگاری' میں دیپک بدکی نے ڈاکٹر رینو بہل کے افسانوں کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔اس مضمون میں بہل کے بالترتیب پہلے اور دوسرے افسانوی مجموعے 'آئینہ' اور 'آنکھوں سے دل تک' کی سبھی کہانیوں کو شامل کیا گیا ہے۔تنقید نگار نے ان کی مختلف افسانوں کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

☆ '' دہشت گرد' بہت ہی دل سوز کہانی ہے جس میں دہشت گردوں کی گولی باری سے ایک عورت نہ صرف اپنے بچے کو کھو بیٹھتی ہے بلکہ اس کا شوہر شدید زخمی ہو جاتا ہے۔وہ رات دن تیمارداری کر کے اپنے شوہر کو صحت یاب کرنے میں کامیاب ہوتی ہے۔بدلے میں اس کا احسان فراموش شوہر بچوں کی کمی محسوس کر کے اس کو چھوڑ کر دوسری عورت کے ساتھ گھر بسا لیتا ہے۔'' ۳۹

☆ '' آنکھوں سے دل تک 'میں فوجی عورتوں کی زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جنگ کے دوران بیوہ ہوئی فوجی عورتیں کیسے زندگی کی لڑائی لڑتی ہیں اور اپنے خاوند کی آرزوؤں کو عملی جامہ پہناتی ہیں،اس افسانے میں بڑی خوبصورتی سے پیش کیا گیا ہے۔ ۴۰

رینو بہل کے کرداروں کے بارے میں دیپک بدکی لکھتے ہیں کہ:

'' ڈاکٹر بہل کے کردار ہمارے پاس پڑوس میں رہتے ہیں اور زندگی کے مصائب سے جوجھتے رہتے ہیں۔ ان کے یہاں عورت کا کردار مضبوط اور معنی خیز ہوتا ہے چاہے پھر وہ منفی کردار ہی کیوں نہ ہو۔ '' ۴۱؎

رینو بہل کے افسانوں کا تقابل کرتے ہوئے نقاد رقم طراز ہیں:-

'' رینو بہل کے افسانوں میں اکثر غیر متوقع اختتام بھی ملتا ہے جو موپاساں اور منٹو کے ہاں رائج تھا۔ کبھی کبھی دم کا ڈنک (Sting in the tail) کا طریقہ بھی استعمال میں لایا گیا ہے مثلاً افسانہ 'دھند' کا اختتام۔'' ۴۲؎

رینو بہل کی مقصدیت پر اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے دیپک بدکی لکھتے ہیں کہ:

'' غور سے دیکھا جائے تو ہر افسانے میں کسی سماجی، اقتصادی یا بشریاتی مسئلے کو پیش کیا گیا ہے اور اس میں ایک زیریں مقصد بھی ہوتا ہے۔ مقصدی ادب کی یہی کوشش ان کے افسانوں کو پریم چند اسکول سے جوڑتی ہے۔ رینو بہل کا بیانیہ انداز، علامتوں اور استعاروں کی عدم موجودگی اور حقیقت نگاری بھی اس اسکول کی پرم پرا ہے۔ وہ عورت کی پرابلمز کو کھلے طور پر پیش کرنے میں کامیاب ہوئی ہیں۔'' ۴۳؎

'ڈاکٹر رینو بہل سے ایک مکالمہ' میں دیپک بدکی نے موصوفہ سے نو (۹) سوالوں کے جواب طلب کیے ہیں جن کے توسل سے رینو بہل کے شخصی پہلوؤں، اردو سے لگاؤ، ان کا پہلا افسانہ، ان کے پسندیدہ قلم کار، افسانوں کے رجحانات و میلانات، اور ادب و فن پر ان کی رائے جاننے کی کوشش کی گئی ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے یہ طریقۂ کار قلمکار کی شخصیت کے مخفی گوشوں پر روشنی ڈالتا ہے۔

➤ ڈاکٹر انوار احمد انصاری کی مزاح نگاری :

ڈاکٹر انوار احمد انصاری مالیر کوٹلہ کے افسانہ نگار اور مزاح نگار ہیں جنھوں نے 'پنجاب کا طنزیہ و مزاحیہ نثری ادب' پر مقالہ لکھ کر پنجابی یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے۔ دیپک بدکی نے 'ڈاکٹر انوار احمد انصاری کی مزاح نگاری' مضمون تحریر کرکے ڈاکٹر صاحب کی شخصیت اور فن کے کئی پہلوؤں سے روشناس کروایا ہے۔ دیپک بدکی نے صنف طنز و مزاح کے حوالے سے اس سے پہلے بھی مانک ٹالا پر مضمون لکھا ہے اور کئی دیگر ادیبوں میں بھی اس اندازِ تحریر کی تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ بقول بدکی ڈاکٹر انصاری کا طبعی میلان مزاح کی طرف ہے اور انکے افسانوں میں بھی مزاحیہ رنگ دیکھنے کو ملتا ہے۔ ان کی نظر میں '' مزاح نگار کا کام بس یہ ہے کہ وہ ہنستے کھیلتے اپنی بات کہہ جائے کہ سنجیدہ پند و نصائح سے قارئین کو بوریت محسوس ہوتی ہے''۔ زیرِ نظر مضمون میں انہوں نے ڈاکٹر انوار احمد انصاری کی مزاح نگاری پر اپنے تاثرات پیش کرتے ہوئے فرمایا ہے:

'' ڈاکٹر انوار احمد انصاری اپنے معاشرے کی اخلاقی پامالیوں اور بدعنوانیوں پر خندہ زن ہیں۔ انہوں نے بہت کم عرصے میں طنز و مزاح کے میدان میں اپنا لوہا منوالیا ہے۔'' ۴۴؎

ڈاکٹر انصاری کی مزاح نگاری پر وہ مزید تحریر کرتے ہیں کہ:

’’ ڈاکٹر انوار احمد انصاری بڑی بے تکلفی اور بے ساختگی سے اپنے معاشرے پر چوٹیں کرتے ہیں اور ان کے طنز کے تیر سیدھے قاری کے دل و دماغ میں پیوست ہو جاتے ہیں۔ قاری دم لے کر اپنا اور اپنے ماحول کا جائزہ لینے لگتا ہے۔ ‘‘ ۴۵؎

➤ ببول کے سائے کا طلبگار ۔ اظہر نیّر :

’ببول کے سائے کا طلبگار۔ اظہر نیّر‘ میں دیپک بدکی نے اظہر نیّر کی شاعری کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ چنانچہ ان کی ادبی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ’’مسلسل چالیس برس سے افسانے اور شعر تخلیق کرنے والے اظہر کی کوئی بھی تصنیف اب تک منظر عام پر نہیں آئی ہے۔‘‘ اظہر نیّر نہ صرف ادیب ہیں بلکہ اردو کی خدمت کرنے کے لیے جہاں بھی جاتے ہیں، اردو کی تنظیموں کی بنیاد ڈالتے ہیں اور اردو سیکھنے والوں کی مدد کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تنقید نگار ان سے کافی متاثر ہو چکے ہیں۔ ان کے فن کے بارے میں بدکی اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں:

’’ اظہر نیّر کی شاعری کی کئی جہات ہیں۔ ایک طرف وہ روایتی شاعری کے دلدادہ ہیں اور دوسری طرف جدید شعور اور انداز بیان کو پسند فرماتے ہیں۔ ‘‘ ۴۶؎

حالانکہ اظہر نیّر نے شروعات افسانہ نگاری سے کی تھی مگر ان کا زیادہ تر رجحان شاعری کی جانب رہا اسلئے انھوں نے آخر کار شاعری کو ہی گلے لگایا۔ ان کے شعری مجموعے ’ببول کا سایہ‘ کے بارے میں بدکی لکھتے ہیں کہ:

’’ انھوں نے عام مستعمل علامتوں کو بھی اپنی شاعری میں برتا اور خود بھی علامتیں اختراع کیں۔ ان علامتوں میں سے نمایاں علامت ہے ’ببول کا سایہ‘۔ شاعر اپنی مفلسی اور بے بسی کو دیکھ کر خدا سے نہ تو چنار کا سایہ مانگتا ہے اور نہ شیشم کا بلکہ خاردار ببول کے درخت کا سایہ مانگتا ہے کیونکہ یہ خود رو پیڑ ہر جگہ اگتا ہے۔ موجودہ دور کے لوگ گاؤں کی معطر فضاؤں سے بھاگ کر غلیظ شہروں کی بھیڑ میں گم ہو رہے ہیں۔ ‘‘ ۴۷؎

☆☆☆

باب: ۲ . ۱ . ۴ : عصری شعور ۔ تنقیدی مضامین

حوالہ جات

نمبر	مضمون / تصنیف	مصنف / مدیر	صفحہ
(۱)	بحوالہ ورق ورق آئینہ: دیپک بدکی شخصیت اورفن مرتبین	۱) پروفیسر شہاب عنایت ملک ۲) ڈاکٹر فرید پربتی ۳) ڈاکٹر انور ظہیر انصاری	۲۰۹
(۲)	عصری شعور	دیپک بدکی	۱
(۳)	ایضاً	,, ,,	۲
(۴)	جموں کشمیر میں اردو افسانہ ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۳
(۵)	ایضاً	,, ,,	۴
(۶)	ایضاً	,, ,,	۹
(۷)	ایضاً	,, ,,	۹
(۸)	ایضاً	,, ,,	۱۲
(۹)	جموں وکشمیر کے افسانوی ادب میں قومی یکجہتی کے عناصر،بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۱۳
(۱۰)	ایضاً	,, ,,	۱۴
(۱۱)	ایضاً	,, ,,	۱۵
(۱۲)	ایضاً	,, ,,	۱۵
(۱۳)	ایضاً	,, ,,	۱۷
(۱۴)	ایضاً	,, ,,	۲۱
(۱۵)	ایضاً	,, ,,	۲۲
(۱۶)	ایضاً	,, ,,	۲۳
(۱۷)	ایضاً	,, ,,	۲۶
(۱۸)	کلاسیکی قدروں کا علمبردار۔ میکش کاشمیری ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۲۷

(۱۹) ایضاً ” ” ۳۲

(۲۰) ایضاً ” ” ۲۴

(۲۱) شرون کمار ورما کی افسانہ نگاری ، بحوالہ عصری شعور دیپک بدکی ۳۹

(۲۲) شبنم عشائی کی من بانی ، بحوالہ عصری شعور دیپک بدکی ۴۲

(۲۳) کدارناتھ شرما کی سیدھی سادی کہانیاں ، بحوالہ عصری شعور دیپک بدکی ۴۷

(۲۴) ایضاً ” ” ۵۳

(۲۵) ایضاً ” ” ۵۱

(۲۶) ایضاً ” ” ۵۲

(۲۷) ڈاکٹر کیول دھیر۔رومانوی افسانہ نگاری ، بحوالہ عصری شعور دیپک بدکی ۶۶

(۲۸) سماجی مسائل کا آئینہ دار۔بشیر مالیرکوٹلوی ، بحوالہ عصری شعور دیپک بدکی ۷۰

(۲۹) ایضاً ” ” ۷۲

(۳۰) ایضاً ” ” ۷۱

(۳۱) ایضاً ” ” ۷۴

(۳۲) ڈرامے سے ناول تک کا سفر۔انل ٹھکر ، بحوالہ عصری شعور دیپک بدکی ۷۸

(۳۳) ایضاً ” ” ۸۷

(۳۴) آئینوں کا پرستار۔پریمی رومانی ، بحوالہ عصری شعور دیپک بدکی ۸۹

(۳۵) ایضاً ” ” ۹۴

(۳۶) خامۂ فرخ سے بہتی زندگی کی تصویریں ، بحوالہ عصری شعور دیپک بدکی ۹۸۔۹۹

(۳۷) ایضاً ” ” ۱۰۲

(۳۸) ایضاً ” ” ۱۰۳

(۳۹) ڈاکٹر رینو بہل کی افسانہ نگاری ، بحوالہ عصری شعور دیپک بدکی ۱۰۷

(۴۰) ایضاً ” ” ۱۰۷

(۴۱) ایضاً ” ” ۱۰۸

(۴۲) ایضاً ” ” ۱۰۹۔۱۱۰

(۴۳) ایضاً ” ” ۱۱۱

(۴۴)ڈاکٹر انوار احمد انصاری کی مزاح نگاری ، بحوالہ عصری شعور دیپک بدکی ۱۱۶

(۴۵) ایضاً ” ” ۱۱۷۔۱۱۸

(۴۶) ببول کے سائے کا طلبگار۔اظہر نیّر ، بحوالہ عصری شعور دیپک بدکی ۱۲۰

(۴۷) ایضاً ” ” ۱۲۱

☆☆☆

باب: ۲ . ۴

دیپک بدکی بحیثیت تبصرہ نگار

تخلیقی ادب کے اپنے مثبت و منفی مسائل واثرات ہوتے ہیں۔تخلیق کار اپنی تخلیقی صلاحیت سے مطالعے اور مشاہدے کا سہارا لے کر روزمرہ کے حالات، زندگی کی اٹل سچائیوں اور تصوراتی دنیا سے روشناس کراتا ہے۔اپنے خیالات کی ترسیل میں کون کتنا کامیاب ہوتا ہے یہ اس کے اسلوب پر منحصر ہونا ہے۔تاہم ہر شاعر و نثر نگار فن میں مہارت حاصل کرنے کے لیے ہر تخلیق کو اپنے مخصوص انداز میں لکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس میں ہمیشہ ترقی کی منزلیں طے کرنے کی کوششیں جاری وساری رکھتے ہیں تاکہ پڑھنے والوں کے دل و دماغ پر اپنے تاثرات چھوڑ سکیں۔بقول غالبؔ ؎

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور [1]

اس شعر کے ذریعے غالبؔ نے اپنے انداز بیان کو ہم عصروں سے الگ اور منفرد بتا دیا ہے۔وہ اسلئے کیوں کہ غالبؔ جس زمانے میں شاعری کر رہے تھے اس وقت ایک سے بڑھ کر ایک معیاری شاعری کرنے والے شاعر کارزارِ ادب میں موجود تھے مثلاً ذوقؔ، مومنؔ، سوداؔ، حالیؔ، وغیرہ وغیرہ۔اسی طرح جیسے شاعر اپنی بات شعری پیرائے میں کہنے میں ماہر ہوتا ہے ویسے ہی نثر نگار بھی اپنی بات نثر میں کہنے کے لیے فکشن، مضامین، مکتوب نگاری اور تنقید وغیرہ کا سہارا لیتا ہے اور اسے بڑی خوبصورتی سے قاری کے سامنے رکھ لیتا ہے۔مثال کے طور پر سرسید نے اپنی نگارشات سے ثابت کر دیا کہ اردو زبان میں بھی ہر طرح کی اور ہر طرح سے بات کہی جاسکتی ہے۔اس بات کی تصدیق عبداللطیف اعظمی نے اپنے مضمون میں سرسید کے بیان سے اس طرح کی ہے:

"جہاں تک ہم سے ہوسکا، ہم نے اردو زبان کی علم و ادب کی ترقی میں، اپنے ناچیز پرچوں کے ذریعہ سے کوشش کی (۱) مضمون کے ادا کا ایک سیدھا اور صاف طریقہ اختیار کیا (۲) رنگین عبارت سے جو تشبیہات اور استعاراتِ خیالی سے بھری ہوتی ہے اور جس کی شوکت صرف لفظوں ہی لفظوں میں رہتی ہے اور دل پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا، پرہیز کیا (۳) اس میں کوشش کی کہ جو کچھ لطف ہو مضمون کے ادا میں ہو (۴) جو اپنے دل میں ہو، وہی دوسرے کے دل میں پڑے، تاکہ دل سے نکلے اور دل میں بیٹھے۔" [2]

سرسید جس زمانے میں لکھ رہے تھے اس وقت لوگوں میں نثری اصناف کی اتنی بیداری نہیں تھی۔سرسید نے پڑھنے اور لکھنے کے آداب سیکھائے اور یہی وجہ ہے کہ قوم میں علمی بیداری لانے والے سرسید جیسی شخصیت کو آج بھی یاد کیا جاتا ہے حالانکہ سرسید کے زمانے میں نواب محسن الملک، نواب وقار الملک، مولوی چراغ علی، مولوی ذکاء اللہ، خواجہ الطاف حسین حالی، شبلی نعمانی، مولانا نذیر احمد، اور مولوی زین العابدین جیسے ادیب موجود تھے۔

جس طرح شعر کہنا اور نثر میں اظہارِ خیال کرنا مشکل ہوتا ہے اسی طرح تخلیقات کو ادب کی کسوٹی پر پرکھ کر اس

تنقید کرنا یا پرمغز تبصرہ کرنا بھی بہت مشکل اور محنت طلب کام ہے۔ اردو کے ابتدائی زمانے میں اس کا رواج عام نہیں تھا جس کے سبب بہت سی اہم کتابیں گمنامی کی بھول بھلیوں میں کھوگئیں۔ حالانکہ ابتداء زمانے میں چند ادیبوں نے تذکرے رقم کرکے اردو پر بہت بڑا احسان کیا مگر حقیقی شروعات حالی کی تنقید نگاری سے ہوئی۔ حالی کے بعد تنقید نگاروں کا ایک کارواں سامنے آیا جس میں کچھ اہم نام یوں ہیں؛ کلیم الدین احمد، رشید احمد صدیقی، امداد امام اثر، مولوی عبدالحق، افسر میرٹھی، وزیر آغا اور شمس الرحمٰن فاروقی وغیرہ۔

دراصل تبصرہ ایسا فن ہے جس کے ذریعے مبصر تخلیق کی خوبیوں اور خامیوں کو اجاگر کرتا ہے اور اس طرح قارئین کو کتاب پڑھنے کی طرف مائل کرتا ہے۔ بعض لوگ تبصرہ کو تنقید کا ہی ایک جزو مانتے ہیں کیونکہ اس میں تبصرہ نگار کی علمیت اور تجزیاتی ذہن کارفرما ہوتے ہیں اور وہ تخلیق کو اپنے تنقیدی میزان کی کسوٹی پر پرکھ کر اس پر اپنی رائے ظاہر کرتا ہے۔ عبادت بریلوی تبصرہ نگاری کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

> ''تبصرہ نگاری کو پوری طرح تنقید تو نہیں کہا جا سکتا کیوں کہ اس کا مقصد تنقید سے قدرے مختلف ہوتا ہے۔'' ۳؎

اسی بات کو کلیم الدین احمد نے بھی اپنے انداز میں لکھا ہے۔ وہ اپنے مضمون 'اردو میں تبصرہ نگاری' میں اس کی یوں وضاحت کرتے ہیں:

> ''تبصرہ ایک فن ہے اور فن تنقید کی ایک شاخ۔ اردو میں فن تنقید، اس کے اصول اور اغراض و مقاصد سے صحیح واقفیت نہیں۔'' ۴؎

مذکورہ حوالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تبصرہ تنقید کے بہت نزدیک ہوتے ہوئے بھی الگ حیثیت رکھتے ہیں۔ پس یہ ثابت ہوا کہ تبصرہ تنقیدی صنف کی ہی ایک شاخ ہے مگر اس میں وہ بال کی کھال اتارنے والا معاملہ نہیں رہتا ہے جو تنقیدی مضامین میں نظر آتا ہے۔ دراصل یہ پرنٹ میڈیا کی دین ہے۔ جب کتابیں بڑی تعداد میں چھپنے لگیں تو ایک طرف ان کی نکاسی کا مسئلہ سامنے آیا اور دوسری طرف تعلیم کے پھیلاؤ کے سبب بازار میں کتابوں کی طلب بہت زیادہ بڑھنے لگی۔ ان دونوں مسئلوں کا حل ڈھونڈنے کے لیے اخبار اور رسالے سامنے آئے تاکہ صحیح صحیح کتاب ہاتھ میں پہنچ سکے۔ اشتہاروں سے یہ کام ناممکن تھا کیونکہ اشتہاروں میں مبالغہ آمیزی سے کام لیا جاتا ہے۔ اس لیے ضروری تھا کہ کوئی تیسرا آدم جو نہ مصنف ہو اور نہ ہی قاری ہو، کتاب پڑھے اور اس پر اپنی بے لاگ رائے ظاہر کرے تاکہ انجان قاری یہ سمجھ سکے کہ کتاب کا موضوع کیا ہے اور کارآمد ہے کہ نہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہم عصر اور آنے والی نسلوں کی رہبری کے لیے نئی کتابوں پر تبصرے لکھے جانے لگے تاکہ لوگ کتاب کی غرض و غایت سے روشناس ہوں اور اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ تاہم مبصر پر یہ ذمہ داری عائد ہوگئی کہ وہ کتاب سے متعلق جو کچھ بھی

تاثرات، تجربات ومشاہدات حاصل کرے، اس کو خوش اسلوبی سے اور صرف کام کی باتوں کو اہمیت دیتے ہوئے اس انداز سے تبصرے کے توسل سے قاری تک پہنچائے کہ دلچسپ کتاب سے پڑھنے والا اس قدر راغب ہو جائے کہ وہ نہ صرف خود اس کتاب کو پڑھے بلکہ دوسروں تک بھی اس کا پیغام پہنچا سکے۔ اس بات کو وقار عظیم مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''بات کہنے والا بات کہے اور اس نیت اور مقصد سے کہے کہ سننے والا اسے توجہ سے سنے اور اس میں دلچسپی محسوس کرے تو اس کے دل میں یہ معلوم کرنے کی خواہش بھی بیدار ہوتی ہے کہ سننے والے پر اس کی بات کا کیا ردِّعمل ہوا، اور یوں اظہار کی خواہش اور اس اظہار کا ردِّعمل دیکھنے کی آرزو ایک ہی احساس کے دو لاینفک جز بن جاتے ہیں۔ اب اگر بات کہنے والا یہ اندازہ کرے کہ اس کی بات اس کے سامع یا مخاطب کے دل میں اپنی جگہ بنا رہی ہے تو اس کا اثر اس کے اسلوب اظہار پر پڑتا ہے اور اس کا یہ احساس مسرت کہ اس کی کہی ہوئی بات دوسروں کے لیے باعث کشش اور دل نشینی ہے۔'' ؎۵

نقاد کی طرح ہی مبصر کا کام بہت ہی مشکل ہوتا ہے۔ ایک طرف مصنف یہ چاہتا ہے کہ وہ اس کی صرف تعریف کرے کیونکہ اپنی تصنیف کو وہ اولاد کی طرح عزیز رکھتا ہے اور دوسری طرف قاری یہ توقع رکھتا ہے کہ مبصر دیانت داری اور کسی تعصب کے بغیر اپنا کام انجام دے اور کھوٹے کو کھرا نہ کہے۔ یہ تو تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف ہوتا ہے۔ مبصر جتنی غیر جانبداری، اختصار اور خوش اسلوبی سے کسی بھی کتاب کے متعلق تبصرہ پیش کرتا ہیں اتنا ہی وہ موثر ہوتا ہے اور اسے اپنی پہچان بنانے اور پڑھنے والوں کو اپنی گرفت میں لینے میں زیادہ وقت نہیں لگتا ہے۔ انجام کار اس مختصر سی معلومات کے زیر اثر لوگ مذکورہ کتاب کو پڑھنے کے لیے راغب ہو جاتے ہیں۔ جدید اردو ادب میں ایسے بہت سے ادیب وصحافی ہیں جنھوں نے نہ صرف اپنے تخلیقی فن کے جوہر دکھائے ہیں بلکہ وہ ایک مبصر کی حیثیت سے بھی سامنے آئے ہیں۔ آج کل یہ روش عام ہو چکی ہے کہ تبصرے اخباروں اور رسالوں میں چھپتے رہتے ہیں اور ان کو آنے والی نسل کے لیے محفوظ کرنے کے لیے کتابی صورت میں بھی پیش کیا جانے لگا ہے۔ مگر اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ تبصرہ بہت عرق ریزی کے بعد لکھا گیا ہو، رقم کرنے سے پہلے ساری کتاب کا مطالعہ کیا گیا ہو، کتاب کے مثبت ومنفی پہلوؤں کو اختصار کے ساتھ اجاگر کیا گیا ہو، تجزیے کے دوران اپنے نظریاتی تعصب کو دور رکھ گیا ہو اور تبصرے کو خوش اسلوبی کے ساتھ لکھا گیا ہو۔

ہم عصر افسانوی ادب کے ایک ایسے ہی قلم کار دیپک بدکی ہیں جنھوں نے سنجیدگی سے تبصرہ نگاری کی صنف کو اپنا لیا ہے۔ ان کے افسانے ہندو پاک سے لے کر سمندر پار اردو کی نئی بستیوں تک مقبول ہو چکے ہیں۔ انھوں نے اپنی زندگی کا بیش قیمت وقت یا تو افادۂ عام کے لیے سرکاری ملازمت یا پھر ادبی خدمات میں صرف کیا ہے۔ چنانچہ

ان کی تحریریوں سے ان کے گہرے مطالعے اور مشاہدے کا پتہ چلتا ہے۔ وہ زندگی کے سفر کے اس پڑاؤ پر بھی دن میں آٹھ دس گھنٹے کتب بینی میں صرف کرتے ہیں۔ ان کی ملازمت کی بات کریں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے پانچ سال کشمیر ایمپوریم میں نوکری کر کے انڈین سِول سروس کا امتحان پاس کیا اور پھر بھارتیہ ڈاک محکمے میں تعینات ہوئے۔ اسی نوکری کے دوران وہ نو سال فوج میں ڈیپوٹیشن پر رہے اور لیفٹیننٹ کرنل کا عہدہ پا کر واپس اپنے محکمے میں چلے آئے۔ آخر میں وہ ۲۰۱۰ء میں ممبر (پلاننگ)، پوسٹل سروسز بورڈ کے عہدے سے سبکدوش ہوئے۔ انہوں نے جہاں ایک جانب پچھتّر سے زائد خوبصورت افسانے لکھے ہیں وہیں عصری اردو ادب، ادیبوں اور ان کے کارناموں پر تنقیدی مضامین وتبصرے بھی رقم کیے ہیں۔ اس سلسلے میں ایم مبین اپنے خیالات کا یوں اظہار کرتے ہیں:

'' دیپک بدکی نے نہ صرف افسانہ نویسی کی ہے بلکہ عصری اردو ادب اور عالمی ادب کا بھی گہرا مطالعہ کیا ہے۔ انہیں اس دوران جو بھی عصری اردو ادب کی کتابیں پڑھنے کی ملیں انہوں نے بڑے خلوص سے ان کتابوں پر اپنی بیباک رائے لکھی ہے۔'' ۶

جیسا کہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے دیپک بدکی کے تخلیقی سفر کی ابتداء یوں تو بیسویں صدی کی آٹھویں دہائی سے ہوئی مگر موافق حالات نہ ہونے کے سبب انھوں نے سات آٹھ سال کے بعد لکھنا ترک کر دیا۔ لیکن دل کے کسی گوشے میں لکھنے کی خلش اور اظہار کی چبھن ابھی بھی باقی تھی اس لیے انھوں نے ۱۹۹۶ء سے دوبارہ لکھنا شروع کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے گزشتہ سولہ سال میں اردو ادب کو چار افسانوی مجموعے اور تین تنقیدی مضامین وتبصروں کے مجموعے دیے جن کے نام یہ ہیں: افسانوی مجموعے (۱) ادھورے چہرے (۲) چنار کے پنجے (۳) زیبرا کراسنگ پر کھڑا آدمی (۴) ریزہ ریزہ حیات؛ تنقیدی مضامین و تبصروں کے مجموعے : (۱) عصری تحریریں (۲) عصری شعور (۳) عصری تقاضے [زیر طبع]۔ اول الذکر مجموعوں کے افسانے ہندوستان، پاکستان اور یوروپ کے کئی مؤقر اخباروں اور رسالوں میں چھپے ہیں اور اس کے بعد کتابی شکل میں منظر عام پر آئے ہیں۔ اسی طرح ان کے تنقیدی مضامین وتبصرے بھی مختلف اخباروں اور رسالوں میں وقتاً فوقتاً شائع ہوئے ہیں اور ان کو ادبی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ انٹرنیٹ پر بھی دیپک بدکی کے دو نجی بلاگ چل رہے ہیں (deepakbudki.com & budki.blogspot.com) جن پر وہ اپنی تخلیقات کو انٹرنیٹ کی وساطت سے قارئین تک پہنچاتے ہیں۔

بدکی نے جب باقاعدگی سے افسانے لکھنا شروع کیا تھا تب اس بات کا اندازہ لگانا ناممکن تھا کہ وہ جتنے اچھے

افسانے تحریر کرتے ہیں اتنے ہی اچھے تبصرے بھی تحریر کریں گے۔اس بات کی توثیق عصری اردو ادب کی کتابوں پر کیئے گئے ان کے تبصروں اور تنقیدی مضامین سے ہوتا ہے جواب کتابی شکل میں 'عصری تحریریں' اور 'عصری شعور' کے نام سے ہمارے سامنے آچکے ہیں۔اس میدان میں قدم رکھنے کے بارے میں تبصرہ نگار خود ہی 'عصری تحریریں' کے 'حرف اوّل' میں فرماتے ہیں کہ:

'' یہ محض اتفاق تھا کہ میں نے تبصرہ نگاری کے میدان میں قدم رکھا۔ ہوا یوں کہ ماہنامہ انشاء کولکتہ کے مدیر ف س اعجاز نے اپنی تصنیف 'صاحب فن' میری رائے جاننے کے لیئے بھیج دی۔رائے قلم بند کرنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ میں کتاب پڑھوں، سمجھوں اور پھر اپنے تاثرات لکھ دوں۔سو میں نے ایسا ہی کیا۔پھر نہ جانے کہاں سے کتابوں کا ایک سیلاب سا آیا........تاثرات لکھتے وقت میں نے کبھی بخیلی سے کام نہیں لیا البتہ جن کتابوں پر تبصرے لکھے،ان کو اول تا اخیر پڑھا،نوٹس بنائے،اور پھر اپنے تاثرات قلم بند کیے۔یہی وجہ ہے کہ ان تبصروں میں نہ تو عام تبصروں کی سطحیت اور اختصار ملے گا اور نہ ہی تنقیدی مضامین عمق اور طوالت۔ہ تاثراتی تبصرے کسی مخصوص مکتب فکر کی دین نہیں ہیں'' ۷

اپنی تبصرہ نگاری کے بارے میں دیپک بدکی 'عصری شعور' کے حرف آغاز میں مزید لکھتے ہیں:

'' یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ میں نے روایتی تبصرے قلمبند کرنے سے ہمیشہ گریز کیا ہے۔ چنانچہ میں نہ تو کسی رسالے سے وابستہ ہوں اور نہ ہی کسی ایڈیٹر کے تقاضے کی امید کرتا ہوں۔اس لیے میں زمانی ومکانی بندشوں اور حد بندیوں سے آزاد ہوں۔عام طور پر رسالوں کے لیے عجلت میں بہت ہی مختصر تبصرے تحریر کیے جاتے ہیں جن سے قاری کی تشنگی برقرار رہتی ہے۔میں جب تک تصنیف کو اوّل سے آخر تک نہیں پڑھتا،اس پر قلم نہیں اٹھاتا اور جب اس تصنیف کو پورا پڑھتا ہوں تو کم سے کم الفاظ میں اس کا لب لباب پیش کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ ساتھ ہی اپنی بے لاگ رائے بھی قلمبند کرتا ہوں۔اس کے علاوہ زیر نظر تصنیف سے چیدہ چیدہ اشعار یا اقتباسات بھی ہائی لائٹ کرتا ہوں۔مقصد یہ ہوتا ہے کہ قاری اس کتاب کا مطالعہ کرنے کی جانب راغب ہو جائے اور تخلیق کار کو اپنی محنت کا پھل مل جائے۔'' ۸

دیپک بدکی کی تبصرہ نگاری پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے رفیق شاہین تحریر کرتے ہیں کہ:

'' تبصروں اور تاثرات میں مباحث اور تماثیل کی گنجائش نہیں ہوتی۔اس لیے وہ شعور ادراک اور افہام تفہیم کو بروئے کار لا کر ہی اپنے **Subject** کا محاسبہ کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔ وہ اپنی نپی تلی زبان کا استعمال کرتے ہیں اور کسی فنکار کے محاسن بیان کرتے وقت نہ تو جذباتی ہوتے ہیں اور نہ جانب داری کے غار میں گرتے ہیں۔'' ۹

اسی طرح ڈاکٹر انوار احمد انصاری دیپک بدکی کی تبصرہ نگاری پر یوں رقم طراز ہیں:

'' تبصرے اور تنقیدی مضمون مین کافی فرق ہوتا ہے لیکن دیپک بدکی نے اپنی رائے ظاہر کرنے کے لیے بیچ کا راستہ اپنایا ہے جسے تاثراتی تنقید کہا جا سکتا ہے۔ ایک طرح سے انھوں نے ایک نئی صنف کی بنیاد ڈالی ہے۔'' [۱۰]

اس طرح یہ واضح ہے کہ دیپک بدکی نے نہ صرف انتقادیات کو بلکہ تبصرہ نگاری کو بھی بری سنجیدگی سے لیا ہے اور امید کی جاتی ہے کہ وہ اس میدان میں بھی ادب کی نئی راہیں ڈھونڈ نکالیں گے۔

☆☆

باب: ۲ . ۴ : دیپک بدکی بحیثیت تبصرہ نگار

حوالہ جات

نمبر	مضمون / تصنیف	مصنف / مدیر	صفحہ
(۱)	شرح دیوانِ غالب	پروفیسر یوسف سلیم چشتی	۴۴۰
(۲)	بحوالہ سہ ماہی ادیب علی گڈھ، جولائی تا دسمبر ۱۹۹۳ء	مرزا خلیل احمد بیگ	۱۷۳
(۳)	اردو تنقید کا ارتقاء	عبادت بریلوی	۴۵۸
(۴)	اردو تنقید پر ایک نظر	کلیم الدین احمد	۳۲۷
(۵)	فنِ افسانہ نگاری	وقار عظیم	۲۵۱۔۲۵۲
(۶)	بحوالہ ورق ورق آئینہ: دیپک بدکی شخصیت اورفن	مرتبین ۱) پروفیسر شہاب عنایت ملک ۲) ڈاکٹر فرید پربتی ۳) ڈاکٹر انور ظہیر انصاری	۲۱۶
(۷)	عصری تحریریں	دیپک بدکی	۱
(۸)	ایضاً	دیپک بدکی	۱
(۹)	بحوالہ ورق ورق آئینہ: دیپک بدکی شخصیت اورفن	مرتبین ۱) پروفیسر شہاب عنایت ملک ۲) ڈاکٹر فرید پربتی ۳) ڈاکٹر انور ظہیر انصاری	۲۰۶
(۱۰)	ایضاً	” ”	۲۵۵

☆☆☆

باب: ۱ . ۲ . ۴

عصری تحریریں ۔ تبصرے

(اشاعتِ اوّل.........۲۰۰۶ء)

دیپک بدکی نے عصری اردو ادب پر نہ صرف تنقیدی مضامین لکھے ہیں بلکہ اپنے معاصروں کی تصنیفات پر سیر حاصل تبصرے بھی کیے ہیں۔ان کے تبصروں کی خصوصیت یہ رہی ہے کہ وہ جس کتاب پر بھی تبصرہ کرتے ہیں اس کو غور سے اول تا آخر پڑھتے ہیں اور تب ہی اس پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ان تبصروں سے معروضیت اور غیر جانبداری جھلکتی ہے۔اس طرح انھوں نے عصری ادب اور قارئین کے درمیان پُل باندھنے کا بہت اچھا کام کیا ہے۔سن ۲۰۰۶ء میں ان کی پہلی تنقیدی مضامین وتبصروں پر مبنی کتاب 'عصری تحریریں' منصۂ شہود پر رونما ہوئی جس کا اردو حلقوں نے پرتپاک خیر مقدم کیا۔اس کتاب پر رفیق شاہین کے تاثرات ملاحظہ فرمائے:

' ان کی نثری کتاب 'عصری تحریریں' میزان پبلیشرز، بٹہ مالو سرینگر سے شائع ہوئی ہے۔ یہ ان کے قلم سے نکلے تاثرات تبصروں اور مضامین کا مجموعہ ہے۔ست رنگی سرورق سے آراستہ روشن کتابت وطباعت کی مظہر دو سواسی صفحات پر مشتمل اس ضخیم کتاب کو ناشر اور نگراں شبیر احمد نے بڑے خلوص اور محبت سے طبع کیا ہے۔ عرض ناشر کے علاوہ پروفیسر فرید پربتی نے بھی موصوف کے تنقیدی ہنر کا سرسری سا جائزہ پیش کیا ہے اور خود دیپک بدکی نے بھی 'حرف اوّل' کے تحت کتاب کی غرض وغایت پر روشنی ڈالنے کے لیے صرف ایک صفحہ لے کر کفایت شعاری سے کام لیا ہے۔اس کے بعد اصلی متن کا باب فوراً ہی وا ہو جاتا ہے۔دیپک بدکی نے کتاب کے مواد کو آٹھ ابواب میں منقسم کر دیا ہے۔ افسانے تحقیق تنقید تذکرے اور شاعری پر لکھے ان کے سبھی مضامین انہیں ابواب کے تابع ہیں جس سے قارئین کو اپنی پسند کے مضمون کو تلاش کرنے کی ذرا بھی دقت نہیں ہوتی۔ ''[۱]

'عصری تحریریں' سات ابواب پر مشتمل ہے جن میں ابتدائی دو ابواب، 'باب مانک ٹالا' اور 'باب متفرق مضامین' تنقیدی مضامین کے لیے مختص کیے گئے ہیں۔ان ابواب پر پہلے ہی مفصل روشنی ڈالی گئی ہے۔باقی ماندہ پانچ ابواب، باب نثر، باب شاعری، باب تذکرہ، باب تنقید وتحقیق اور باب متفرقات میں کتابوں پر رقم کیے گئے تبصرے شامل ہیں ۔جیسا کی پہلے بھی لکھا جا چکا ہے یہ تبصرے سرسری نہیں ہیں بلکہ تفصیل سے لکھے جا چکے ہیں اور ان میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ تصنیف کے علاوہ مصنف کے فن پر بھی روشنی ڈالی جائے۔

➤ باب نثر :

اس باب میں دیپک بدکی نے مختلف نثری تخلیقات (افسانوی مجموعوں اور ناولوں) پر لکھے گئے تبصرے شامل کیے ہیں۔انھوں نے کہیں کہیں ان تبصروں میں تاثراتی وتاریخی تنقید کی عمدہ مثالیں بھی پیش کی ہیں جیسے:

☆ ''بے ثمر سچ' (مصنف نور شاہ) میں ۳۲/افسانے شامل ہیں جو نہ صرف عشق ومحبت کی کہانیاں ہیں بلکہ ان میں وادیٔ کشمیر کا کرب بھی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ ''[۲]

☆ ''(چاہ نشین !فیڈ آوٹ ٹو بلیک مصنف انیس رفیع) افسانے کو پڑھ کر آسٹریلیا کے طسمانیہ میں تہذیب کے محافظوں کی غارت گری یاد آتی ہے۔'' ۳

☆ '' زیرنظر مجموعے (گہن، خواب اور کلیاں مصنفہ سمیرا حیدر) میں پندرہ افسانے ہیں۔ان افسانوں میں رومانیت صاف طور پر نظر آتی ہے مگر زندگی کی تلخ حقیقتوں سے گریز نہیں کیا گیا ہے۔ان کے یہاں

☆ '' کرشن چندر کی طرح ہی رومانوی نثر ملتی ہے جو حقیقت کو پُر اثر انداز میں بیان کرنے میں کامیاب ہوتی ہے۔'' ۴

☆ '' عنوانات پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ افسانہ نگار غالب کے مداح ہیں اور ان کی غزلوں سے ہی عنوانات چنے گئے ہیں۔(تماشائے اہل کرم مصنف ڈاکٹر میر گوہر علی خان) '' ۵

☆ '' بیسویں صدی کے وسط میں افسانہ نگاروں میں دو رجحان نظر آئے ایک وہ جو مارکسی نقطۂ نظر رکھتے تھے اور دوسرے جو فرائڈ سے متاثر تھے۔ زہرہ مسحور دوسرے گروپ سے تعلق رکھتے ہیں۔سعادت حسن منٹو کی طرح جنسی اور نفسیاتی مسائل پر لکھتے رہے۔'' ۶

➤ کرفیو سخت ہے (انیس رفیع) :

'کرفیو سخت ہے' جدیدیت پسند افسانہ نگار انیس رفیع کا تحریر کیا ہوا افسانوی مجموعہ ہے۔انیس رفیع کے یہاں علامتی انداز تحریر ملتا ہے اور وہ اپنی کہانیوں میں سماجی مسئلوں کی جانب انہی علامتوں کے ذریعے اشارہ کرتے ہیں۔ دیپک بدکی افسانہ 'ماجرا' کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

'' اس کہانی کو اگر 'بیسٹ بیکری کانڈ' یا پھر جیسیکا لال ہتیا کے پس منظر میں دیکھا جائے تو ہر لفظ ایک کہانی بن کر سامنے آتا ہے۔'' ۷

تبصرہ نگار نے اپنے تبصرے میں افسانہ نگار کی علمیت اور عالم گیر ذہنیت کی جانب بھی اشارہ کیا ہے۔اسی مجموعہ میں شامل افسانہ 'چاہ نشین ! فیڈ آوٹ ٹو بلیک' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

'' افسانے کو پڑھ کر آسٹریلیا کے طسمانیہ میں تہذیب کے محافظوں کی غارت گری یاد آتی ہے۔جب یورپ کے نو آباد کاروں نے ان پر تسلط جمایا اور مجبوراً وہ نیست و نابود ہو کر رہ گئے ۔'' ۸

بدکی خود افسانہ نگار ہونے کے باوجود کبھی اس بات پر اکتفا نہیں کرتے کہ افسانہ نگار بھی ان کے پسندیدہ موضوعات پر ہی طبع آزمائی کرے یا پھر انہی کا طرز انداز اپنائے۔اس کے برعکس وہ جو پڑھتے ہیں یا محسوس کرتے ہیں اسی پر اپنا بے خوف ردّعمل پیش کرتے ہیں۔ان کی یہی ادا قاری کو افسانے پڑھنے کے لیے دعوتِ فکر دیتی ہے۔انیس رفیع کے افسانہ 'ملنگ باباؤں کی پکنک' کے بارے میں مبصر رقم طراز ہیں:

'' انسان عورت کے بغیر ادھورا ہے اور جنس اس ادھورے پن کو مکمل کرنے کی جستجو۔'' ۹

افسانہ 'نیل کنٹھ' کے بارے میں دیپک بدکی اپنے خیالات کا یوں اظہار کرتے ہیں:

'' سائنسی فکشن کے حدوں کو چھوتا ہوا ایک نئی دنیا کا اعلان کرتا ہے اور الڈس ہکسلے کے ناول 'بریو نیو ورلڈ' کی یاد دلاتا ہے۔'' ۱۰

اسی افسانے 'نیل کنٹھ' کو لے کر ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ:

'' ایک غالب شخصیت کا مالک جو زندگی میں کامیاب ہو چکا ہے ہر محفل کا موضوع بن جاتا ہے اور اس طرح ہر جگہ حاضر ہو جاتا ہے۔ جبکہ پروفیسی Prophecy کے طور پر شاید ایک وقت آئے گا کہ آدمی بھی اپنی زیراکس کروا سکے گا۔ کلوننگ Cloning بھی تو زیراکس کا ہی ایک طریقہ ہے۔ '' ۱۱

➤ بے ثمر سچ (نور شاہ) :

نور شاہ کشمیر کے جانے مانے افسانہ نگار ہیں جو گذشتہ پچاس سال سے افسانے تحریر کر رہے ہیں۔ بقول تبصرہ نگار ان کے یہاں رومانی انداز بیان ملتا ہے اور ان کا غالب موضوع عشق و رومانس رہا ہے۔ البتہ ۱۹۹۰ء کے بعد ان کے افسانے حقیقت کی قریب جاتے نظر آتے ہیں۔ ان کے افسانوں کے بارے میں دیپک بدکی لکھتے ہیں:

'' نور شاہ نے سجاد حیدر یلدرم، نیاز فتح پوری اور مجنوں گورکھپوری کے رومانوی اسکول کو ترجیح دی۔ '' ۱۲

نور شاہ بھی مبصر کی طرح کشمیر سے تعلق رکھتے ہیں اور انھوں نے گذشتہ پچیس سال اپنے وطن میں رہ کر ہی اس دھرتی کے کرب کو جھیلا ہے۔ کہاں تو وہ ہر دم کشمیر کی خوبصورتی کی منظر کشی کرتے تھے، یہاں کی دوشیزاؤں کے حسن کو بیان کرتے تھے اور کہاں اب ان کے ارد گرد ہر طرف آہ و بکا، چیخ و پکار اور لہو و آنسو نظر آتے ہیں۔ بے ثمر سچ میں افسانہ نگار نے ان حقیقتوں کو سامنے لانے کی کوشش کی ہے اور بقول تبصرہ نگار اس میں کامیاب بھی ہوئے ہیں۔ کشمیر کی موجودہ حالت کو تبصرہ نگار مندرجہ ذیل فقرے میں بیان کرتے ہیں:

'' موجودہ کشمیر پہلے جیسا جنت بے نظیر رہا بھی تو نہیں۔ '' ۱۳

مبصر کو اس مجموعے میں دلفریب منظر نگاری، منظّم پلاٹ اور دلکش مکالموں کا احساس ہوا ہے۔ یہ وہ باتیں ہیں جو بہترین افسانوں میں موجود ہوتی ہیں۔ کشمیر کی خوبصورت وادیوں کی منظر کشی کرتے ہوئے ظاہر ہے کہ قاری بنا کشمیر جائے ہی کشمیر کی سیر کرتا ہے۔ دوسری جانب نور شاہ کے یہاں ایسے مکالمے ملتے ہیں جو ذہن کے کسی گوشے میں یادوں کے جھرمٹ بن کر ستاروں کی طرح ٹمٹماتے رہتے ہیں۔ جہاں تک پلاٹ کا سوال ہے نور شاہ پوری کہانی کو ایسے جوڑ کر رکھتا ہے جسے نہ صرف کہانی میں ربط قائم ہوتا ہے بلکہ وہ کرداروں کو بھی اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ تبصرہ نگار نے ان افسانوں کو تنقید کی کسوٹی پر کھرا پایا ہے۔ چنانچہ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

'' منظر نگاری میں نور شاہ کو ید طولیٰ حاصل ہے۔ ان کے مکالمے چست اور جاندار ہوتے ہیں۔ ان کا خامہ کرداروں میں جان ڈال دیتا ہے۔ وہ معمولی سے معمولی منظر کو بھی اپنے تخیل سے اندر دھنشی رنگ بھرتے ہیں اور قاری کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ منظر اس کی آنکھوں کے سامنے پیش آرہا ہے۔'' ۱۴

مبصر نے افسانوں کے عنوانات کے بارے میں یہ بھی لکھ دیا ہے کہ وہ اس قدر حیرت میں ڈالنے والے اور دل نشین ہوتے ہیں کہ دیکھتے ہی قاری کا تجسس بڑھ جاتا ہے اور وہ افسانہ پڑھنے کے لیے بے تاب ہو جاتا ہے۔ بقول دیپک بدکی:

'' نور شاہ کے افسانوں کے عنوانات چونکانے والے اور دلکش ہوتے ہیں جو پہلی ہی نظر میں قاری کو دعوتِ فکر دیتے ہیں۔'' ۱۵

تبصرہ نگار ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ نور شاہ کے افسانوں کی رنگارنگی ان کو دلچسپ اور فکر انگیز بناتی ہے:

'' نور شاہ کے افسانوں کی بوقلمونی کا اندازہ ان کے موضوعات سے لگایا جاسکتا ہے۔ عشق تو خیر ان کا مخصوص موضوع ہے ہی، اس کے علاوہ انہوں نے نفسیاتی کجرویوں مثلاً الیکٹرا کامپلکس ....
Electra Complex(دستک)، جنسی تشنگی (صلیب)، احساس گناہ**Gulit Complex**
(وہ ایک شخص تھا، آخری دن سے پہلے، زمین کھولے گی زباں اپنی)، ایڈِپس کامپلکس ....
Oedipus Complex (رات کا سورج)، امرد پرستی (ایک لمحے کی محنت)، لزبین ازم اور وائف سویپنگ(**Lesbianism and Wife Swapping**) (اشرف المخلوقات، انجانے اتہاس کی کڑیاں)، سماجی بے ضابطگیاں جیسے (بے ایمانی واس کا دکھ) جنسی پابندی (بے معنی سفر) اونچے طبقوں کی بے راہ روی (بے جڑ پودے) جیسے موضوعات پر خوبصورت افسانے قلمبند کئے ہیں۔'' ۱۶

نور شاہ کی نظر میں عورت کا کردار اور اس کی حیثیت کے بارے میں تبصرہ نگار فرماتے ہیں کہ:

'' بہر حال عورت ان کے تخیل پر حاوی رہتی ہے۔ اس عورت میں دوشیزہ کی پاکیزگی بھی دیکھتے ہیں اور ماں کی ممتا بھی۔ بیوی کی رعنائیاں بھی ڈھونڈتے ہیں اور کسی کی شہوت انگیز انگڑائیاں بھی۔'' ۱۷

➤ برف کی آگ (دیپک کنول) :

دیپک کنول بھی کشمیر کے معروف افسانہ نگار ہیں جو ٹی وی کے لیے اسکرپٹ بھی لکھتے رہے ہیں۔ انھیں بھی کشمیر کے نامساعد حالات کے مدنظر وادی سے ہجرت کرنی پڑی اور اب ممبئی میں قیام پذیر ہیں۔ نقل مکانی کے فوراً بعد ان کو مشہور فلمی اداکار دلیپ کمار نے سہارا دیا اور از سر نو زندگی بسر کرنے کے لیے حوصلہ بڑھایا جس کا وہ اعتراف

کرتے ہیں۔ کشمیر سے جڑے مسائل، وہاں کے کشیدہ حالات، دہشت گردی کے خوفناک مناظر، تباہی و بربادی وغیرہ ان کے افسانوی مجموعہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس بارے میں تبصرہ نگار یوں رقم طراز ہیں:

'' 'برف کی آگ' میں شامل کئے گئے سبھی چودہ افسانے کشمیر سے تعلق رکھتے ہیں اور بیشتر افسانے وہاں ہو رہی خونریزی اور دہشت گردی پر بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر روشنی ڈالتے ہیں۔'' ۱۸

اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ ہندوستانی فلموں اور اردو ادب کا آپس میں ایسا رشتہ رہا ہے کہ کبھی کبھی فلمی کہانیوں کا اثر افسانوں پر اور افسانوں کا اثر فلمی کہانیوں پر نمایاں طور سے نظر آتا ہے۔ مبصر نے بھی اس افسانوی مجموعہ میں فلمی اثرات کو بھانپ لیا ہے۔ اس کا سبب یا تو افسانہ نگار کا ٹی وی کے لیے اسکرپٹ لکھنا ہو سکتا ہے یا پھر ممبئ میں رہ کر فلموں کے ساتھ بڑھتا لگاؤ۔ اس بارے میں مبصر فرماتے ہیں کہ:

'' کہیں کہیں ان افسانوں پر ممبئ کی فلمی کہانیوں کی چھاپ بھی نظر آتی ہے۔'' ۱۹

دیپک کنول کے افسانوں کے اختتام کے بارے میں تبصرہ نگار فرماتے ہیں کہ:

'' ان کے افسانے موپاساں اور منٹو کی طرح حیرت انگیز طریقے سے اختتام کو پہنچتے ہیں۔'' ۲۰

➤ یمبر زل (ترنم ریاض) :

نرگس کو کشمیری میں 'یمبر زل' کہتے ہیں۔ اس افسانوی مجموعہ کی مصنفہ ترنم ریاض خود کشمیر سے واسطہ رکھتی ہے جبکہ مبصر کا بھی کشمیر کی سرزمین سے گہرا تعلق ہے۔ اس وجہ سے افسانوی مجموعہ میں بیان کی گئی باتوں کو مبصر نے گہرائی سے سمجھا ہے اور قاری کو بھی بہتر طریقے سے سمجھانے کی حتیٰ الامکان کوشش کی ہے۔ اس سے پہلے بھی مصنفہ کے دو افسانوی مجموعے 'یہ تنگ زمین' اور 'ابابیلیں لوٹ آئیں گی' شائع ہو چکی ہیں۔ جہاں تک افسانوں کے موضوعات اور تکنیک کا تعلق ہے ترنم ریاض حقیقت پسند قلم کار ہیں اور بیانیہ کا بڑی خوبی سے استعمال کرتی ہیں۔ ان کے افسانوں کے بارے میں تبصرہ نگار کے تاثرات ملاحظہ ہوں:

'' افسانہ نگار ہم عصر زندگی سے اپنے پلاٹ چنتی ہیں اور آس پاس کے ماحول سے کردار ڈھونڈ نکالتی ہیں ان کے بیانیہ میں دریا کی روانی ہے جبکہ منظر نگاری میں پہاڑی جھرنوں کا ترنم ہے۔ اپنے عمیق مشاہدے کی وجہ سے ان کے افسانوں میں کردار جاگ اٹھتے ہیں۔'' ۲۱

'ماں' کا لفظ آتے ہی اس کے پیار و محبت اور ممتا سے بھرے آنچل کا احساس ہونے لگتا ہے۔ کئی شاعروں نے اس موضوع پر طبع آزمائی کی ہے۔ حال ہی میں منوّر رعنا کا شعری مجموعہ ماں کے اس بے نظیر تصور کو اجاگر کرتا ہے۔ البتہ شاعر جب ماں کے تعلق سے کچھ کہتا ہے تو تصور و جذبات کی نازک تاروں کو چھیڑتا ہے لیکن یہی بات جب

کوئی افسانہ نگار لکھتا ہے وہ تصویر بن کر قاری کے آنکھوں کے سامنے گزرنے لگتی ہیں۔ بقول دیپک بدکی ترنم ریاض کے یہاں بھی ماں کا اچھوتا تصور ملتا ہے۔ لکھتے ہیں کہ:

'' ترنم ریاض کے کئی افسانوں میں ماں کا ایک مکمل تصور ملتا ہے۔ ماں.....جوممتا، پیار اور ایثار کی مورت ہے۔'' ۲۲

تبصرہ نگار ترنم ریاض کو موجودہ دور کی روشن خیال نسائی آواز مانتے ہیں جو سائنسی ذہنیت اور مثبت رویہ کا پیکر ہے۔اس بارے میں تبصرے کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

'' چنانچہ مصنفہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی بے بہا ایجادات کو انسانی تہذیب کے ارتقا کیلئے ضروری سمجھتی ہیں اس لئے ان کے ہاں فرسودہ روایات پسندی اور منفی رویہ نہیں ملتا۔ '' ۲۳

➤ مورتی (ترنم ریاض) :

'مورتی' ترنم ریاض کا ایک خوبصورت ناول ہے۔ بقول تبصرہ نگار ''اس ناول کا نہ صرف عنوان 'مورتی' ہے بلکہ اس کا موضوع بھی مجسموں میں قید خالق کا فن ہے''۔ان کے افسانوں کے بارے میں مبصر اپنے خیالات کا یوں اظہار کرتے ہیں:

'' تاہم ان کے افسانوں یا ناولوں میں ایک ایسی رومانی فضا قائم رہتی ہے جو عطر بیز بھی ہے اور نرگسی چشم کا آئینہ بھی۔ ترنم ریاض اپنے کرداروں کا گہرا مشاہدہ کرتی ہیں اور انھیں ہو بہو اپنی تصویروں میں پیش کرتی ہیں۔'' ۲۴

حالانکہ ناول نگار نے بیانیہ کو اپنی طرز نگارش بنایا ہے مگر گاہ بہ گاہ وہ علامتوں اور تشبیہوں کا بھی برمحل استعمال کرتی ہیں۔ اس ناول کے بارے میں ایک طرف مبصر نے افسانہ نگار کے طرزِ بیان کے متعلق اپنی رائے ظاہر کی ہے تو دوسری طرف اس میں بیان ہوئے واقعات کی معنویت کو بھی قاری پر آشکار کیا ہے۔فرماتے ہیں:

'' مصنفہ بیانیہ کو ہی اپنا وسیلہ بناتی ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ کنایہ یا رمزیہ طرز نگارش سے پرہیز کرتی ہیں ۔ان کے یہاں کئی جگہوں پر علامتیں اپنے اندر ایک کائنات سمیٹے ہوئے ملتی ہیں۔'' ۲۵

چنانچہ اس ناول کی مصنفہ بھی کشمیر سے تعلق رکھتی ہے بدکی یہ جانتے ہوئے بھی ہر بات کو الگ الگ انداز بیان میں پیش کر لیتے ہیں مثلاً اس ناول کے بارے مبصر فرماتے ہیں کہ:

'' ناول نگار کی تحریروں میں ہم عصر مسائل خاص طور پر نسوانی مسائل، کشمیر کے المیہ واقعات کی منظر کشی اور موڑدن زندگی کی ٹوٹ پھوٹ جا بجا ملتی ہے۔ یہی ٹوٹ پھوٹ کبھی مجسموں میں ظاہر ہوتی ہے اور کبھی اصلی زندگی میں۔ '' ۲۶

➤ اوس کی جھیل (اِنل ٹھکّر) :

ناول ’اوس کی جھیل‘ مقصدی ادب کا بے بہا نمونہ ہے جس کو انل ٹھکر نے بڑی دردمندی سے لکھا ہے۔اس میں بقول تبصرہ نگار معاشرے کے ان ناسوروں کی جانب اشارہ کیا گیا ہے جو آزادی کے بعد بے روک ٹوک پھیلتے چلے گئے۔ناول نگار سیاست دانوں،افسر شاہی اور جرائم پیشہ لوگوں کو اس کا ذمہ وار گردانتے ہیں اور اس کے انجام سے مایوس نظر آتے ہیں۔ناول کے کردار ہمارے آس پاس کے لوگ ہیں جو ’’اس مشین کے کل پرزے بن چکے ہیں‘‘۔ تبصرہ نگار کے تاثرات حاضر خدمت ہیں:

’’ ان کے کردار ربوٹ نہیں ہیں بلکہ دماغ رکھنے والے حرکی انسان ہیں جو اپنے بھلے برے کی تمیز رکھتے ہیں۔‘‘ ۲۷

ان کرداروں کے آپسی مکالمے فطری ہیں اور کہیں پر کوئی غیر فطری پن نظر نہیں آتا۔اس کا سبب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انل ٹھکر زندگی بھر اسٹیج سے جڑے رہے ہیں اور ڈرامہ نگاری میں مکالمہ بہت اہم ہوتا ہے۔چنانچہ اس بارے میں مبصر لکھتے ہیں کہ:

’’ ڈائیلاگ پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے حقیقی کردار ہمارے سامنے ایک دوسرے سے محوِ گفتگو ہیں۔‘‘ ۲۸

اس ناول میں ناول نگار نے سماجی مسائل پر اپنا نظریاتی رویّہ اس انداز سے پیش کیا ہے کہ قاری سوچنے پر مجبور ہوجاتا ہے اور ان کے تدارک کے لیے کمر کس لیتا ہے۔موجودہ سماج میں ان مسئلوں سے نہ صرف ادیب و فنکار کو جوجھنا پڑتا ہے بلکہ قاری کی پوری زندگی انہیں مسئلوں کا حل ڈھونڈتے ڈھونڈتے گزر جاتی ہے اور آخر کار ناکام ہوکر وہ ہمت ہار بیٹھتا ہے۔سب سے بڑا مسئلہ تو تب کھڑا ہوجاتا ہے جب عمداً ناقص تعلیم کے ذریعے ننھے منے ذہنوں کو خراب کیا جاتا ہے جس کی جانب مبصر نے اشارہ کیا ہے:

’’ معاشرے کی یہ دیمک ہمارے تعلیمی اداروں میں بھی پھیل چکی ہے یا یوں کہیے پھیلائی جاچکی ہے تا کہ آنے والی نسلیں تباہ و برباد ہوجائیں۔فرضی کالج،فرضی ڈگریاں،اور فرضی امتحانات۔‘‘ ۲۹

اسی حوالے سے تبصرہ نگار ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ:

’’ ناول نگار نے خلوص اور صدق دلی سے ہمارے موجودہ سماج کی منظر نگاری کی ہے اور ہمیں سوچنے پر آمادہ کیا ہے۔‘‘ ۳۰

➤ کال کوٹھری (نعیم کوثر) :

نعیم کوثر کے افسانوں کے مجموعے ’کال کوٹھری‘ پر تنقیدی نظر ڈالتے ہوئے تبصرہ نگار لکھتے ہیں کہ وہ افسانے کو دورِ آشوب میں قلم کا جادو جگاتے ہیں کیونکہ ایک جانب نقاد افسانے کا مرثیہ لکھ رہے تھے تو دوسری جانب وہ سماجی برائیوں ،انسانی حقوق کی پامالی اور جبر و تشدد کے خلاف آواز اٹھا رہے تھے۔نعیم کوثر بھوپال سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے

بھوپال گیس ٹریجڈی کے چشم دید واقعات کا اپنے افسانوں میں بیان کرنا ایک فطری عمل ہے۔ بدکی اس حوالے سے فرماتے ہیں کہ:

"نعیم کوثر جتنا ماضی کو کریدتے ہیں اتنا ہی ہم عصر مسائل پر بھی نگاہ رکھتے ہیں۔ بھوپال گیس ٹریجڈی، فرقہ وارانہ فسادات موروڈن سوسائٹی کی نفسیاتی اور جنسی بے راہ روی اور بدلتی ہوئی معاشی قدروں پر انھوں نے کئی اچھوتے افسانے لکھے ہیں۔" ۳۱؎

ہر افسانہ نگار اپنی علاقائی تہذیب اور اس سے جڑے واقعات کو پیش کرتا ہے کیوں کہ اس کی دیکھی بھالی اور محسوس کی ہوئی چیز ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ان کرداروں کو بھی پیش کرتا ہے جو اس ماحول میں کوئی اچھا یا برا کام کرتے ہیں اور افسانہ نگار کو متاثر کرتے ہیں۔ افسانہ نگار ان کی بولی کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور اس زبان و لہجے کا استعمال اپنے افسانوں میں کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جس وقت پریم چند نے 'ہوری' کا کردار پیش کیا تھا اس وقت ملک کا ہر کسان ہوری لگنے لگا تھا۔ چنانچہ نعیم کوثر نے بھی 'حمیدہ' کا کردار اس شدت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ دنیا کی ہر جذباتی اور صبر و تحمل والی لڑکی حمیدہ کی ہم آواز دکھائی دیتی ہے۔ مبصر نے اس بات کی وضاحت اس طرح کی ہے:

"نعیم کوثر نے پٹھانوں کی شجاعت اور سادہ لوحی پر کئی افسانے لکھے ہیں مگر وہ اس بات کی جانب اشارہ کرنے سے نہیں چوکتے کہ پٹھان لوگ دماغ سے کم دل سے زیادہ فیصلے لیتے ہیں۔ ان کی عورتیں خوددار، کسرتی اور اکھڑ قسم کی ہوتی ہیں۔" ۳۲؎

➤ نجات (معین الدین عثمانی) :

معین الدین عثمانی جدیدیت پسند افسانہ نگار ہیں اور ان کے افسانوی مجموعے 'نجات' میں بقول تبصرہ نگار "لاسمت سفر کی لایعنیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے"۔ افسانہ نگار علامتوں اور استعاروں کا کھل کر استعمال کرتے ہیں۔ ان کی افسانہ نویسی پر تبصرہ نگار اپنی رائے یوں رقم کرتے ہیں:

"معین الدین عثمانی کے افسانوں میں کافی تنوع ملتا ہے۔ معاشرے کے مختلف شعبوں سے پلاٹ چنے گئے ہیں۔ کردار بھی مختلف طبقوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک بات تو صاف ظاہر ہے کہ ان کی کہانیاں مقصدی ہیں۔" ۳۳؎

تبصرہ نگار کو معین الدین عثمانی کے افسانوں میں فارسی کے مشہور ادیب شیخ سعدی کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ:

"شیخ سعدی کی حکایتوں کی مانند ان میں کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی رمز چھپا ہوا ہے۔" ۳۴؎

جدیدیت پسند افسانہ نگار سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ اس کے افسانوں میں ذاتی کرب اور انسانی زندگی کی بے

ثباتی کا بیان ہو۔اس بارے میں مبصر عثمانی کے افسانوں کے حوالے سے یوں لکھتے ہیں:

'' کچھ افسانے تو افسانہ نگار کی ذاتی زندگی سے جڑے ہوئے ہیں جن کو پڑھ کر جذبات کی شدت سے دل پر گہرا اثر پڑتا ہے۔'' ۳۵

➤ برف پر ننگے پاؤں (شاہد اختر) :

برف پر ننگے پاؤں شاہد اختر کا پہلا افسانوی مجموعہ ہے۔ان کے افسانوں میں بقول تبصرہ نگار نہ صرف منٹو کی جھلک ملتی ہے بلکہ وہ ان سے بھی کافی آگے نکل گئے ہیں۔انھوں نے انسانی نفسیات اور جنسیات پر خوبصورت افسانے رقم کیے ہیں۔اس مجموعہ کے علاوہ ان کے لکھے ہوئے ناول 'شہر میں سمندر' پر بھی کتاب میں تبصرہ شامل ہے۔ان افسانوں کے بارے میں مبصر فرماتے ہیں کہ:

'' مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ افسانہ نگار نے سعادت حسن منٹو کی روایت کو بالواسطہ اور بلاواسطہ طور پر قائم رکھنے کی کوشش کی ہے اور اس میں وہ کامیاب بھی ہوئے ہیں۔'' ۳۶

شاہد اختر کے افسانوں کے موضوعات ،تکنیک اور اسلوب پر اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے دیپک بدکی تحریر کرتے ہیں:

'' محولا بالا افسانوں میں افسانہ نگار نے ہم عصر منظر نامے کو باریکی سے پیش کیا ہے جہاں جنسی بے راہ روی، اخلاقی پستی ،منشیات کا استعمال اور بلیو فلمز کا چسکا بہت عام سی بات بن گئی ہے۔ ان کا بیانیہ رواں ہے اور وہ اپنی بات کھل کر بیان کرتے ہیں منظر کی جزئیات کا بغور مطالعہ کرتے ہیں اور کہیں کہیں ڈرامائی عنصر کا بھی استعمال کرتے ہیں۔وہ اپنے افسانوں کے اختتام میں تعجب اور تحیّر کا عنصر بھی لاتے ہیں۔'' ۳۷

جنسی کجرویوں پر کافی کچھ لکھا جا چکا ہے۔ ہر بار ان کو الگ الگ نظریے اور رویے سے دیکھا اور جانچا گیا ہے۔ چنانچہ یہ کہ کچھ عرصہ پہلے جنسیات سے جڑی ہر بات کو پوشیدہ رکھا جاتا تھا اور منٹو اور عصمت کو کئی بار کورٹ میں پیش ہونا پڑا تھا لیکن اب زمانے اور حالات بدل چکے ہیں جس کی بدولت ہر بات کو چھپانے کی کوئی وجہ نہیں ملتی۔شاہد اختر کے افسانوں میں وہی کھلا پن اور آزادروی تبصرہ نگار کو دکھائی دی۔ بقول بدکی جنسی کجروی اب ہمارے معاشرے میں سرایت کر چکی ہے:۔

'' جنسی کجروی جو پہلے میٹروپولیٹن شہروں تک محدود تھی اب معاشرے کے ہر طبقے اور ہر شعبے میں سرایت کر چکی ہے۔ '' ۳۸

افسانہ نگار کا اپنا ایک اسٹائل ضرور ہوتا ہے جیسا کہ کسی بات کو کھل کر کہنا یا اشاروں اور کنایوں میں کہنا ،سنجیدگی سے کہنا یا پھر طنزیہ انداز میں کہنا وغیرہ۔شاہد اختر کے اسلوب کے بارے میں مبصر لکھتے ہیں:

'' کہیں کہیں پر انہوں نے طنز کا بھر پور استعمال کر کے قارئین کی آنکھیں کھولنے کی کوشش کی ہے۔'' ۳۹

تبصرہ نگار نے شاہد اختر کے جنسی موضوعات پر لکھنے اوران کو کھلے طور اظہار کرنے کا جواز یوں پیش کیا ہے:

'' منٹو کے بعد ہمارے معاشرے میں کافی تبدیلیاں آچکی ہیں ہمارے طور طریق، ہمارے اقدار اور زندگی کے بارے میں ہمارا نظریہ سب کچھ بدل چکا ہے۔ترقی کے ساتھ ساتھ بے راہ روی بھی پنپ چکی ہے۔'' ۴۰

➤ شہر میں سمندر (شاہد اختر) :

'شہر میں سمندر' شاہد اختر کا ناول ہے جو انھوں نے ممبئ کے پس منظر میں لکھا ہے۔ممبئ شہر کی الجھنوں اور صعوبتوں کو انھوں نے اس ناول میں قلمبند کیا ہے۔مبصر اس ناول کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ:

'' زیر نظر ناول فلم نگری ممبئ کی بے چہرہ زندگی، مادیت پرستی نفسانفسی اور پراگندگی کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ '' ۴۱

ناول نگار نے اس شہر سے جڑی چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی پیش کیا ہے جو عام طور پر نظر انداز ہوتی ہیں۔اس ناول میں ممبئ شہر کے متوسط طبقے سے کردار چنے گئے ہیں۔ بڑھتی آبادی کے سبب اس شہر میں کام ملنا مشکل ہوتا جارہا ہے۔خاص طور سے خواتین کے لیے جینا دوبھر ہو رہا ہے۔ان چیزوں کی نشاندہی تبصرہ نگار یوں کرتے ہیں:

'' شاہد اختر نے اپنے ناول کے کردار زیادہ تر متوسط طبقے ہی سے چنے ہیں جو باتیں تو اخلاق کی کرتے ہیں مگر کام بداخلاقی کے کرتے ہیں۔ اس نگری میں کام حاصل کرنے کیلئے اپنے عصمتوں کا سودا کرتی ہیں تب عزت و وقار سے جیتی ہیں۔ '' ۴۲

➤ نئی صدی کا عذاب (ایم مبین) :

افسانوی مجموعہ 'نئی صدی کا عذاب' ایم مبین نے تحریر کیا ہے جس میں بڑے شہروں خاص کر ممبئ اور اس سے ملحق اضلاع کی زندگی کو منعکس کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ایم مبین کی افسانہ نگاری کے بارے میں دیپک بدکی لکھتے ہیں کہ:

'' ان کے افسانوں کا مطالعہ کر کے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ وہ کسی مکتبہ فکر سے وابستہ نہیں ہیں۔ ان کا قلم غریب، مظلوم اور مجبور لوگوں کی ترجمانی کرتا ہے اور ایسا کرتے ہوئے وہ نہ تو جذباتی ہوتے ہیں اور نہ نعرے بازی سے کام لیتے ہیں۔'' ۴۳

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ بڑے شہروں میں خواتین خصوصاً لڑکیوں کی زندگی غیر محفوظ ہوگئی ہے۔کب کہاں کیا ہو جائے کسی کو معلوم نہیں۔اسی کرب کی نشاندہی کرتے ہوئے تبصرہ نگار نے ایم مبین کے افسانے 'بے جسم' پر مندرجہ ذیل الفاظ میں اپنی رائے دی ہے:

'' 'بے جسم' ایک عمدہ نفسیاتی کہانی ہے جس پر سریندر پرکاش کے 'بجوکا' کی چھاپ صاف طور پر نظر آتی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اس کہانی میں 'بجوکا' کو شہر میں ایک گھر گرہستی عورت کی خبر گیری کرنی پڑتی ہے۔'' ۴۴؎

اسی طرح مبصر ایم مبین کے افسانہ 'بے اماں' کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

'' گجرات کے دنگوں سے متاثر ہو کر کہانی لکھی گئی ہے۔'' ۴۵؎

تبصرے سے ظاہر ہوتا ہے کہ افسانہ نگار کا تجربہ و مشاہدہ بہت عمیق ہیں۔ان کے افسانے موجودہ مسائل، حادثات و سانحات کا البم ہیں جیسے گجرات کے دنگے، دہشت گردی، پولیس کا ظلم وتشدد وغیرہ۔ان سب باتوں کو بدکی نے اس طرح سے بیان کیا ہے:

'' اتنا تو صاف ظاہر ہے کہ زیادہ تر کہانیاں دہشت گردی انتظامیہ کی بے رخی اور فرقہ پرستی کو اپنا نشانہ بناتی ہیں جبکہ چند کہانیاں نفسیاتی گرہوں کو کھول کر آدمی کی اصلیت کو سمجھنے اور پرکھنے میں مدد کرتی ہے۔'' ۴۶؎

➤ ٹوٹی چھت کا مکان (ایم مبین) :

ایم مبین کے افسانوں کا ایک اور مجموعہ 'ٹوٹی چھت کا مکان' شائع ہوا ہے جس پر دیپک بدکی نے مخلصانہ تبصرہ مرحمت فرمایا ہے۔ان افسانوں میں بیانیہ لب ولہجہ اورانداز بیان میں نیا پن دیکھنے کو ملتا ہے۔بدکی نے افسانے کے بارے میں لکھا ہے کہ:

'' ان کی کہانیوں میں کہانی پن ہے، پلاٹ آس پاس کے ماحول سے چنے گئے ہیں، کہانی اپنی ارتقائی منزلوں سے گزرتی ہے اور آخر کار قارئین کو سوچنے کیلئے مجبور کرتی ہے۔'' ۴۷؎

گو ایم مبین کسی مکتب فکر سے وابستہ نہیں ہیں پھر بھی ان کے یہاں حقیقت پسندی نظر آتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ تبصرہ نگار لکھتے ہیں کہ:

'' ان کی حقیقت نگاری بلا واسطہ پریم چند اسکول کی حقیقت نگاری کی یاد دلاتی ہے۔ '' ۴۸؎

افسانوں کے موضوعات اور کرداروں کے بارے میں دیپک بدکی کا خیال ہے کہ:

'' ان کے افسانوں میں معاشرے میں ہو رہی دھاندلیوں، پولیس کی زیادتوں اور مہانگر کی بے ضابطگیوں کا عام طور پر بیان ہے۔ ان کے کئی کردار آنکھ جھپکتے ہی زمین سے آسمان تک کی چھلانگ مارتے ہیں۔نسائی کردار لاچاری اور مظلومیت کے پیکر ہیں مگر ضرورت پڑنے پر یہ ہرنیاں شیرنیاں بھی بن جاتی ہیں۔البتہ کہیں کہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مبین صاحب اپنے آپ کو دہراتے ہیں یا پھر کئی سنجیدہ کرداروں کو سطحی طور پر پیش کر کے گذر جاتے ہیں۔'' ۴۹؎

➤ ماٹی کہے کمہار سے (آر ڈی شرما تاثیرؔ) :

ماٹی کہے کمہار سے آر ڈی شرما تاثیرؔ کا خوبصورت افسانوی مجموعہ ہے جس سے پنجاب کی دھرتی کی بو باس آتی ہے۔مبصر نے مختلف افسانوں میں پیش ہوئی باتوں کی طرف قاری کی توجہ مبذول کی ہے مثلاً علاقائی تہذیب، تقسیم ہند کا سانحہ، درد و افلاس سے جوجھتے لوگ وغیرہ جس کے سبب قاری سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔دیپک بدکی نے ان باتوں کو یوں تحریر فرمایا ہے:

'' ان افسانوں میں پنجاب کی دھرتی کی بو باس آتی ہے۔ یہ وہی دھرتی ہے جس کو کئی بار بیرونی حملہ آوروں سے جوجھنا پڑا۔ یہ دھرتی ۱۹۴۷ء میں نہتے معصوم لوگوں کے خون سے رنگی گئی۔لاکھوں لوگ بے گھر ہو کر نقل مکانی پر مجبور ہو گئے۔تاثیرؔ کی کہانیوں میں یہی کرب سسکیاں لیتا ہوا سنائی دیتا ہے۔'' ۵۰؎

تاثیرؔ کے کرداروں کے بارے میں مبصر کا خیال ہے کہ:

'' چنانچہ ان کی بیشتر کردار گانے، بجانے کے نہ صرف شوقین ہیں بلکہ اس میں کافی مہارت بھی رکھتے ہیں۔ان کا مشاہدہ گہرا اور عمیق ہے۔ '' ۵۱؎

آر ڈی شرما کے اسلوب کے بارے میں تبصرہ نگار فرماتے ہیں:

'' تاثیر صاحب کو اپنی بات کہنے کا فن آتا ہے گاہ بہ گاہ وہ طنز سے بھی کام لیتے ہیں۔ان کی فصیح رواں نثر سونے پر سہاگہ کا کام کرتی ہے۔ان کے افسانوں کی بوقلمونی اس بات کی شاہد ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی کا سرمایا نچوڑ کر اس مجموعہ میں بھر دیا ہے۔'' ۵۲؎

➤ مردم گزیدہ (اقبال حسن آزاد) :

'مردم گزیدہ' ڈاکٹر اقبال حسن آزاد کا دوسرا مجموعہ ہے۔اس سے پہلے ان کا افسانوی مجموعہ 'قطرہ قطرہ احساس' کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔حالانکہ انھوں نے بقول مبصر '' ترقی پسندی، جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے دور دیکھے مگر ان تحریکوں سے ہمیشہ اپنے آپ کو بچائے رکھا اور اپنی ہی لے میں مست رہے۔'' ان کے افسانہ 'گرفت' کے بارے میں مبصر کا ماننا ہے کہ:

'' اس کہانی کو بابری مسجد کے دنگوں کے پس منظر میں دیکھا جائے تو معنی خیز معلوم ہوتی ہے۔ '' ۵۳؎

بقول تبصرہ نگار افسانہ نگار کا تجربہ اور مشاہدہ عمیق ہے۔وہ اپنی ذات کو افسانے سے الگ نہیں کر پاتے۔ بدکی ان افسانوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

'' ان کے بیشتر افسانے ان کے ذاتی مشاہدے کا نتیجہ ہیں۔کہیں ایسا لگتا ہے کہ وہ خود اس حادثے سے گزرتے

ہیں۔والدین کی جانب لاپرواہی برتنے کی خلش ان کے کئی افسانوں میں نظر آتی ہے۔مانو وہ اس احساس کے بوجھ تلے دبے جا رہے ہیں۔'' ۵۴؎

جہاں تک افسانہ نگار کے نظریے اور موضوعات کا سوال ہے اس بارے میں دیپک بدکی فرماتے ہیں:

'' آزاد کے افسانوں میں واقعیت نگاری اور حقیقت پسندی صاف طور پر جھلکتی ہے۔بیشتر افسانے کرداری ہیں اور متوسط طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ طوالت عمر **Ageing** سے پیدا شدہ مسائل پر انہوں نے کئی خوبصورت افسانے لکھے ہیں۔'' ۵۵؎

➤ قرمزی رشتے (سمیرا حیدر) :

'قرمزی رشتے' رائے چور کرناٹک کی افسانہ نگار سمیرا حیدر کا دوسرا افسانوی مجموعہ ہے۔اس سے پہلے ان کا مجموعہ 'گہن خواب اور کلیاں' منظر عام پر آیا تھا۔ان کو کرشن چندر نے کافی متاثر کیا ہے جس کا وہ خود ہی اعتراف کرتی ہیں۔ان کے افسانوں کے بارے میں تبصرہ نگار اپنے خیالات کا اظہار مندرجہ ذیل الفاظ میں کرتے ہیں:

'' زیر نظر مجموعے کے افسانوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سمیرا حیدر کی زبان میں ابھی بھی اُتر پردیش کی مہک موجود ہے۔ ''۵۶؎

دیپک بدکی نے اس مجموعہ کے کرداروں سے لے کر پلاٹ، پس منظر، جذباتی عنصر اور طرز نگارش کے بارے میں اپنے تاثرات قلمبند کیے ہیں۔فرماتے ہیں:

'' پلاٹ عام زندگی سے چنے گئے ہیں۔کردار عرش کے بدلے فرش پر چلتے نظر آتے ہیں۔انہوں نے رومانی اسکول سے رشتہ جوڑ رکھا ہے۔ ان کے ہاں اعلیٰ پایہ کی جذبات نگاری ملتی ہے۔قدرت اور مناظر قدرت سے انہیں محبت ہے۔ ان کی سانسوں میں گلاب ،موگرے،اور سنبل کی عطر بسی ہوئی ہے۔جبکہ ان کے تصور میں بوگین ویلیا کی رنگینیاں چھائی ہوئی ہیں۔ '' ۵۷؎

سمیرا حیدر ایک خاتون افسانہ نگار ہیں۔ظاہر ہے کہ ان کے افسانوں کے موضوعات نسوانی مسائل اور سماج میں مردوں کے تسلط پر مبنی ہوں گے۔تبصرے سے ایک اقتباس:

'' ان کی کہانیوں میں روزمرہ زندگی کے المناک حادثات ہیں۔مرد اور عورت کے باہمی رشتوں کی تعمیر وتخریب ہے ٹوٹ پھوٹ ہے شک وشبہات ہیں۔نرینہ جبریت،**(Male Chauvanism)** ہے اور عورت کی بے بسی ،لاچاری اور پامالی ہے۔مگر ان سب کے باوجود وہ اجالوں کی سمت رواں ہیں اور رجائیت کا دامن کبھی نہیں چھوڑتیں۔'' ۵۸؎

➤ گہن،خواب اور کلیاں (سمیرا حیدر) :

'گہن، خواب اور کلیاں' سمیرا حیدر کا پہلا افسانوی مجموعہ ہے۔ سمیرا حیدر کرشن چندر سے کافی متاثر ہیں، ان کے افسانوں کا خوب مطالعہ کرتی رہی ہیں، اسی لیے ان کے افسانوں میں کرشن چندر کا اثر صاف طور پر دکھائی دیتا ہے۔ اس حوالے سے تبصرہ نگار فرماتے ہیں:

'' ان کے یہاں کرشن چندر کی طرح رومانی نثر ملتی ہے جو حقیقت کو پراثر انداز میں بیان کرنے میں کامیاب ہوتی ہے۔ '' ۵۹؎

سمیرا حیدر کے افسانوں میں بھی مناظر قدرت۔ پہاڑوں، جھرنوں اور باغیچوں، ان میں لگے پیڑ پودوں اور پھولوں کی کیاریوں سے انس ہے۔ اسی طرح انھیں عورت کے حسن و جمال کا بھی احساس ہے۔ بقول مبصر:

'' سمیرا حیدر منظر نگاری، جذبات نگاری اور خاص کر سراپا نگاری میں ید طولیٰ رکھتی ہیں۔ ان کے افسانوں میں جا بجا پھول، پودے اور پیڑ استعارہ بن کر ابھر آتے ہیں۔'' ۶۰؎

➤ ہتھیار (ڈاکٹر انوار احمد انصاری) :

ڈاکٹر انوار احمد انصاری مزاح نگاری کے علاوہ افسانہ نگاری بھی کرتے ہیں۔ ان کے افسانوں کا مجموعہ 'ہتھیار' حقیقت پسندی کا اچھا نمونہ ہے۔ ان کے افسانوں کے بارے میں دیپک بدکی لکھتے ہیں کہ:

'' تاہم ان کی تحریروں میں پریم چند اسکول اور ترقی پسندوں کے نقش صاف طور پر دکھائی دیتے ہیں ان کے افسانوں پر خاص طور سے کرشن چندر کا اثر نمایاں ہے۔ '' ۶۱؎

جہاں تک ڈاکٹر انوار احمد کے فن کا سوال ہے وہ اپنے گرد و نواح سے موضوعات اور کردار چنتے ہیں اور روزمرہ مسائل پر اپنا قلم اٹھاتے ہیں۔ بقول مبصر:

'' اس مجموعہ میں شامل سبھی افسانے زندگی سے جڑے ہوئے ہیں اور ان میں حقیقت پسندی صاف جھلکتی ہے۔ کہیں کہیں یہ واقعیت پسندی کی حدوں کو چھوتی ہے۔'' ۶۲؎

اس مجموعہ میں شامل افسانے 'مثالیت پسند' پر اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے بدکی لکھتے ہیں کہ:

'' افسانہ نگار نے زندگی کا بڑی باریک بینی سے مشاہدہ کیا ہے اور انسانی نفسیات کا خاص طور پر مطالعہ کیا ہے۔'' ۶۳؎

➤ ڈوم (مجیر احمد آزاد) :

مجیر احمد آزاد کے افسانوی مجموعے 'ڈوم' کے اکثر افسانے دیہاتی پس منظر میں لکھے گئے ہیں۔ ان کے موضوعات اور کردار دیہاتوں سے چنے گئے ہیں۔ ان افسانوں کے بارے میں تبصرہ نگار لکھتے ہیں:

'' چنانچہ افسانہ نگار دیہی علاقے سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے ان کے افسانوں میں سوندھی مٹی کی خوشبو، رہٹ

کی آوازیں اور لہلہاتے کھیتوں کی سرسراہٹ جا بجا ملتی ہے۔ اتنا ہی نہیں ان افسانوں میں دہقانوں کا دکھ درد ان کی معاشی بدحالی اور ان پر ہو رہے ظلم پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ '' ۶۴؎

تبصرہ نگار نے اس بات کا انکشاف کیا ہے کہ مجیر احمد آزاد پریم چند اور اس کے پیروؤں کی تقلید میں حقیقت پسند افسانے لکھ رہے ہیں اور بہار کے کسانوں اور غریب مزدوروں کی کسمپرسی کو اجاگر کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ بقول بدکی:

'' مجیر احمد نے ایک بار پھر اسی ڈور کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے جس کو پکڑ کر پریم چند اور اس کے پیروکاروں نے بیسویں صدی کے وسط میں ہندوستان کی رہنمائی کی تھی۔'' ۶۵؎

دیپک بدکی نے نہ صرف افسانوں کے موضوعات کے بارے میں رائے دی ہیں بلکہ ان کے کرداروں اور پلاٹ کا خلاصہ بھی کیا ہے۔ تبصرے کا اقتباس حاضر خدمت ہے:

'' یہی وجہ ہے کہ ان کا پلاٹ چست اور منصوبہ بند ہوتا ہے اور کردار غیر فطری ہونے کے بجائے زمین پر چلنے پھرنے والے گوشت پوست کے انسان ہوتے ہیں۔ '' ۶۶؎

➤ سلاخیں (رشید الدین) :

رشید الدین سالہا سال سے افسانہ نگاری، مزاح نگاری، ادب برائے اطفال، تنقید اور تحقیق کے میدانوں میں فعال ہیں اور ان کی کئی کتابیں منصۂ شہود پر آ چکی ہیں۔ 'سلاخیں' ان کا پہلا افسانوی مجموعہ ہے جو ایک ہی نشست میں لکھے گئے ہیں اور مختصر ہیں۔ اس بارے میں دیپک بدکی فرماتے ہیں:

'' ان کے افسانوں میں ان کی سوانح ٹکڑے ٹکڑے بکھری ہوئی ہے۔ وہ اپنے تجربات اور مشاہدات کو اپنے افسانوں میں سموتے ہیں۔ سقوط حیدرآباد اور پولیس ایکشن ان کی زندگی کا سب سے بڑا المیہ ہے اور اکثر و بیشتر افسانوں میں اس سانحہ کا ذکر ملتا ہے۔'' ۶۷؎

رشید الدین اپنے افسانوں میں موضوع سے زیادہ کردار پر فوکس کرتے ہیں۔ بقول تبصرہ نگار:

'' ان کے بہت سارے افسانے کرداری ہیں اور خاکوں **Caricatures** سے زیادہ مشابہت رکھتے ہیں۔'' ۶۸؎

بہر حال وہ اپنے گرد و نواح پر بھی کڑی نظر رکھتے ہیں اور اس کے مسائل کو بھی اپنے افسانوں میں اجاگر کرتے ہیں۔ اس حوالے سے مبصر کا خیال ہے کہ:

'' کئی افسانوں میں معاشرے میں پھیلی ہوئی بدعتوں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ '' ۶۹؎

➤ تماشائے اہلِ کرم (ڈاکٹر میر گوہر علی خان) :

'تماشائے اہلِ کرم' ویٹرنری ڈاکٹر میر گوہر علی خان کے افسانوں کا مجموعہ ہے جس کے عنوانات سے صاف ظاہر ہے کہ موصوف مرزا غالب کے پرستار ہیں۔ اپنی آفیشل زندگی سے قطع نظر ڈاکٹر گوہر علی اردو کی خدمت کرتے رہے ہیں۔ ان کے افسانوں میں مقصدیت صاف طور پر جھلکتی ہے۔ تبصرہ نگاران کے افسانوں کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

"عنوانات پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ افسانہ نگار غالب کی مداح ہیں اور ان کی غزلوں سے ہی یہ عنوانات چنے گئے ہیں۔ حالانکہ ہم عصر کہانی ارتقاء کی کئی منزلوں کو پار کر چکی ہے مگر یہ بات مسلم ہے کہ ان افسانوں میں جن مسئلوں پر روشنی ڈالی گئی ہے وہ مسئلے آج بھی جوں کے توں سماج میں پنپ رہے ہیں۔" ۷۰

بقول تبصرہ نگار میر گوہر علی خان کے افسانوں میں خواتین پر ہو رہے ظلم و ستم کو منعکس کیا گیا ہے:

"ان کے افسانوں میں بے کس عورتوں کی سسکیوں، نالوں اور آہوں کی گونج ہر پل سنائی دیتی ہے۔" ۷۱

مذکورہ افسانے بہت مدت پہلے شائع ہو چکے تھے مگر ان کو کتابی صورت دینے میں کافی عرصہ لگ گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان افسانوں میں جدید تکنیک کا فقدان ہے جس کی جانب تبصرہ نگار نے اشارہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

"زیر نظر مجموعے میں ۱۲ افسانے شامل ہیں جن میں بیانیہ یا پھر خود کلامی Soliloquy کی تکنیک استعمال کی گئی ہے۔ جن دنوں یہ افسانے منظر عام پر آئے، عام طور پر افسانوں، خاص کر رومانوی افسانوں، میں یہی رنگ ملتا تھا۔" ۷۲

ڈاکٹر گوہر علی خان کے افسانوں سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اس زمانے میں تحریر کیے گئے ہیں جب اردو افسانے میں رومانیت اور حقیقت پسندی دونوں کا دبدبہ تھا اور ادیب ان میں سے ایک کو اپنے مزاج کے مطابق چن لیتے تھے۔ دیپک بدکی اس حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں:

"گوہر علی خان سجاد حیدر یلدرم کے رومانی اسکول اور پریم چند کے حقیقت پسند اسکول دونوں سے استفادہ کرتے رہے۔ مگر ان کی تحریروں پر رومانوی اسکول کا خاصا اثر دکھائی دیتا ہے۔ انھوں نے اپنا اصلاحی مشن بھی رومانوی اسکول ہی سے جوڑ کر آگے بڑھایا۔" ۷۳

➤ یادوں کے جھروکے (زہرہ مسحور) :

'یادوں کے جھروکے' زہرہ مسحور کا پہلا افسانوی مجموعہ ہے جس میں انسانی نفسیاتی مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ دراصل ایک زمانہ تھا جب حقیقت پسندی نے ترقی پسندی کا روپ لے لیا تھا مگر کچھ ایسے افسانہ نگار بھی نکلے جوان

کے گروپ میں شامل نہ ہو سکے کیونکہ وہ فرائڈ کے نظریے سے متاثر ہو چکے تھے۔اس طرز انداز کی بنیاد منٹو نے ڈالی اور پھر ان کی تتبع میں ایک کارواں نکل پڑا۔زہرہ مسحور نے زیادہ تر افسانے انسانی نفسیات اور جنسیات پر ہی لکھے ہیں۔ان کے بارے میں مبصر لکھتے ہیں کہ:

'' وہ سعادت حسن منٹو کی طرح جنسی اور نفسیاتی مسائل پر لکھتے رہے۔ '' ۴؎

جہاں تک نفسیاتی الجھنوں اور جنسی کجرویوں کا سوال ہے، زہرہ مسحور نے ان موضوعات پر کھل کر لکھا ہے اور یہ کوشش کی ہے کہ ان ذہنی وجسمانی آزمائشوں کی عکاسی کسی لذتیت کے بغیر کی جائے جس میں وہ کامیاب بھی ہو چکے ہیں۔اس حوالے سے مبصر لکھتے ہیں کہ:

'' نفسیاتی اور جنسی مسئلوں کو زہرہ مسحور نے باریک بینی سے پیش کیا ہے۔ انہوں نے نہ صرف ذہنی نامردی **mental / intellectual inpotence** بلکہ مردہ صحبتی **necrophilia** جیسی کجروی پر بھی اپنا قلم اٹھایا ہے۔'' ۵؎

اس کے علاوہ تبصرہ نگار زہرہ مسحور کے افسانوں کی زبان و انداز بیان اور ان کی مقصدیت پر بھی روشنی ڈالتے ہیں:

'' زہرہ مسحور کی زبان صاف سلیس اور رواں ہے کہانی لکھتے وقت ان کے ذہن میں اصلاحی منصب بھی کارفرما رہتا ہے اور کہیں کہیں پر وہ اپنا مدعا بھی افسانے کے اخیر میں بیان کرتے ہیں۔ '' ۶؎

➤ باب شاعری :

دیپک بدکی نے کبھی شاعری نہیں کی لیکن وہ شاعری کو سمجھنے کا ہنر ضرور رکھتے ہیں جس کی تصدیق ان تبصروں سے ہوتی ہے جو انھوں نے شعری مجموعوں پر رقم کیے ہیں۔ان تبصروں سے ان کی تنقیدی صلاحیت کو مزید تقویت ملتی ہے۔اس باب میں انھوں نے سولہ (۱۶) شعری مجموعوں پر لکھے ہوئے تبصرے شامل کیے ہیں جن میں چار الگ سے گوشۂ صلاح الدین نیّر کے تحت شامل ہیں۔ان کے تبصروں کی چند جھلکیاں حاضر خدمت ہیں:

☆ '' رفیق رازؔ کی شاعری کو کشمیر کے حالات کے تناظر میں دیکھنا ضروری ہے۔جنت کشمیر جو ۱۹۸۹ء سے دوزخ بنا ہوا ہے، وہ اسی ماحول میں شعلۂ بیمار کی طرح ان ظلمتوں میں آزاد بن کر جی رہے ہیں۔'' ۷؎

☆ '' نسرینؔ نے اپنی شاعری میں اچھوتے استعاروں، کنایوں اور علامتوں کا استعمال کیا ہے اور عام طور پر یہ علامتیں کشمیر سے وابستہ ہیں۔چند ایک اشعار میں تو انھوں نے نادر تمثیلوں کا بھی استعمال کیا ہے۔ان کے یہاں تنہائی، یاد، چنار، شہر، برف، کھنڈر، شجر، صحرا جیسے الفاظ کئی جگہ ملتے ہیں۔'' ۸؎

☆ '' ان (فریدؔ پربتی) کی یہ کوشش رہتی ہے کہ وہ نت نئے خیالات، تشبیہات، اور استعارات استعمال کریں اور روایتی شاعری میں نئی روح پھونک دیں۔ وہ قافیہ اور ردیف کے پابند بھی ہیں اور صاف ستھری زباں

کے رسیاں بھی۔ داغ دہلوی سے خاصے متاثر بھی نظر آتے ہیں۔ '' ۷۹؎

➤ خیال آباد (عالم خورشید) :

'خیال آباد' کے مصنف عالم خورشید کے بارے میں دیپک بدکی لکھتے ہیں کہ ''عالم خورشید بھی ایسے ہی ایک ہمعصر شاعر ہیں جن کی رگ رگ میں تغزل، غنائیت، نغمگی اور خوش آہنگی سرایت کر چکی ہے۔'' حالانکہ شاعر اپنی ایک الگ خوابوں کی دنیا بساتے ہیں پھر بھی اپنے آس پاس کے ماحول کو فراموش نہیں کرتے۔ وہ اپنے معاشرے کی بے راہ روی کو اپنی شاعری میں منعکس کرتے ہیں۔ نمونہ کلام:

'' ؎ سوچ سمجھ کر چٹانوں سے الجھا ہوں ورنہ
بہتی گنگا میں ہاتھوں کو دھوسکتا ہوں میں
؎ گلہ سب کو ہے دنیا بد سے بدتر ہوتی جاتی ہے
کہاں کوئی پریشان ہے اسے بہتر بنانے میں '' ۸۰؎

➤ صاحب فن (ف س اعجاز) :

'صاحب فن' ماہنامہ انشاء کولکتہ کے مدیر ف س اعجاز کا تیسرا شعری مجموعہ ہے۔ ترقی پسند شاعر ہونے کے سبب ان کی شاعری میں بقول تبصرہ نگار غم ذات بھی ملتا ہے اور غم کائنات بھی۔ انھیں غزل سے بھی اتنا ہی انس ہے جتنا نظم سے۔ ان کی نظموں میں علاقائی جھلکیاں بھی دیکھنے کو ملتی ہیں۔ تبصرے سے ایک اقتباس حاضر ہے:

'' ایک زمانہ تھا کہ کلکتہ کی گندگی اور عفونت کو دیکھ کر راجیو گاندھی نے اسے 'شہر خموشاں' کا لقب دیا تھا مگر آج اسی کلکتہ میں ایک پاتال نگری ہے جہاں میٹرو ریل چلتی ہے اور جس کی مثال سارے ہندوستان میں اور کہیں نہیں ملتی اور جس کے بارے میں کلکتہ باسی فخر محسوس کرتا ہے۔'' ۸۱؎

➤ گفتگو چاند سے (ڈاکٹر فرید پربتی) :

شعری مجموعہ 'گفتگو چاند سے' کے خالق ڈاکٹر فرید پربتی غزلیں، رباعیات اور نظمیں لکھنے کے علاوہ انتقادیات میں بھی دلچسپی رکھتے ہیں۔ ان کی شاعری میں کشمیر کی روح سمائی ہوئی ہے۔ بقول مبصر:

'' فرید پربتی روایتی شاعری کے پرستار ہیں۔ پھر بھی نہ تو وہ دوسروں کے خیالات کو نئے سانچوں میں ڈھالنے میں یقین رکھتے ہیں اور نہ ہی اپنے آپ کو دہراتے ہیں۔ ان کی یہ کوشش رہتی ہے کہ وہ نت نئے خیالات، تشبیہات، اور استعارے استعمال کریں اور روایتی شاعری میں نئی روح پھونک دیں۔ وہ قافیہ اور ردیف کے پابند ہیں اور صاف ستھری زبان کے رسیا بھی۔ داغ دہلوی سے خاصے متاثر نظر آتے ہیں۔ '' ۸۲؎

فرید پربتی کی شاعری میں تبصرہ نگار کو جدیدیت کا رنگ صاف طور پر نظر آتا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"گذشتہ تیس سالوں میں اردو ادب پر جدیدیت کا خاصہ اثر رہا ہے جس کے باعث شاعری میں خود اپنی تلاش، تنہائی، یاسیت، قنوطیت، بے بسی اور بے ثباتی کا بار بار ذکر ہوتا ہے۔" ۸۳

جہاں تک موضوع کا سوال ہے، فرید پربتی کے یہاں عشق کا موضوع غالب نظر آتا ہے جس کی جانب مبصر یوں اشارہ کرتے ہیں:

"پربتی کی غزلوں میں عشق کا رنگ غالب نظر آتا ہے انہوں نے عشق کے میدان میں اپنے تجربات، مشاہدات اور تصورات قلمبند کئے ہیں۔ وہ سیرت کو صورت پر ترجیح دیتے ہیں۔" ۸۴

➤ دشت تنہائی (سیّدہ نسرین نقاش) :

'دشت تنہائی' کی شاعرہ سیّدہ نسرین نقاش بھی وادیٔ کشمیر سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں کشمیر کے حسن و جمال سے لے کر دہشت گردوں کے سبب چہار سو ہوئی بربادی کے منظر نظر آ جاتے ہیں۔ بقول بدکی ان کی شاعری میں اچھوتے استعارے اور علامتیں ملتی ہیں جن کا کہیں نہ کہیں کشمیر سے تعلق ہوتا ہے۔ نسرین کی شاعری کے بارے میں تبصرہ نگار فرماتے ہیں کہ:

"نسرین نے اپنی شاعری میں اچھوتے استعاروں، کنایوں اور علامتوں کا استعمال کیا ہے اور عام طور سے یہ علامتیں کشمیر سے وابستہ ہیں۔ چند اشعار میں تو انہوں نے نادر تمثیلوں کا بھی استعمال کیا ہے۔ ان کے یہاں تنہائی، یاد، چنار، شہر، برف، شجر، صحرا جیسے الفاظ کئی جگہ ملتے ہیں۔" ۸۵

➤ انہار (رفیق رازؔ) :

رفیق راز کشمیر کے معروف جدیدیت پسند شاعر ہیں جنھوں نے کشمیر کی روایتی صوفی شاعری کو اپنا لیا ہے جو ان کے شعری مجموعے 'انہار' سے صاف ظاہر ہے۔ ان کے یہاں بہت ہی خوبصورت علامتیں اور استعارے ملتے ہیں۔ ذاتی کرب کے علاوہ ان کی شاعری میں حق کی جستجو اور دنیا کی بے ثباتی جھلکتی ہے۔ بقول مبصر:

"ان کی شاعری میں غبار، خموشی، جنگل، دشت بے چہرگی، سر سبز، سیاہ، پیاس، ریگستان اور ایسے ہی بے شمار الفاظ استعارہ بن کر رہ گئے ہیں، وہ اپنے الفاظ کو نہ صرف معنی عطا کرتے ہیں بلکہ ان کو زبان بھی دیتے ہیں۔" ۸۶

➤ گوشۂ صلاح الدین نیّر :

'خوشبو کا سفر' کے مدیر اور شاعر صلاح الدین نیّر کی چار کتابوں پر دیپک بدکی نے تبصرے رقم کیے ہیں۔ ۱) ٹھنڈا موسم، گرم ہوا، ۲) تب جا کے تیرے شہر میں آئینہ بنا ہوں، ۳) نیلم زرفشاں اور ۴) تیرا کیا ہوگا اے گل تازہ۔ 'ٹھنڈا

موسم، گرم ہوا' میں صلاح الدین کے لکھے ہوئے ماہنامہ' خوشبو کا سفر' کے اداریے شامل ہیں۔ان کے بارے میں مبصر لکھتے ہیں کہ:

'' ان اداریوں کے مقصد پر صلاح الدین نیر نے اپنے ایک اداریے بعنوان '' یہ اداریے کس کیلئے ہیں' میں خود ہی روشنی ڈالی ہے۔' یہ اداریے دراصل معاشرے کے ان لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو بدعنوانیوں میں ملوث ہیں۔خوشبو کا سفر کے اداریے دراصل معاشرہ کے زمرے سے تعلق رکھتے ہیں۔اصلاح معاشرہ کی یہ ایک معمولی کوشش ہے البتہ انداز تحریر کبھی نشتر زنی کا منصب ادا کرتا ہے تو کبھی زیر لب تبسم کا۔ '' ۸۷؎

اس گوشے کا دوسرا مضمون ' تب جا کے ترے شہر میں آئینہ بنا ہوں' بھی تنقیدی مضامین پر مبنی ہے جس میں ڈاکٹر صابرہ سعید اور انیس قیوم فیاض کے لکھے ہوئے صلاح الدین نیّر کی شخصیت اور شاعری پر مضامین لکھے ہوئے ہیں۔ان مضامین میں موصوف کے فن کو خوب پرکھا گیا ہے۔بقول مبصر:

'' ان کی شاعری میں سماجی شعور اور مقصدیت صاف نظر آتی ہے۔دقیق علامتوں، استعاروں اور کنایوں کے بجائے سادہ اور شیریں زبان کا استعمال کرتے ہیں۔ انہیں ہم عصر معاشرے کی بے راہ روی کا شدید احساس ہے۔'' ۸۸؎

اس گوشے کے تیسرے مضمون میں صلاح الدین نیّر کے تحریر کردہ شعری مجموعے' نیلم زرفشاں' پر تنقیدی روشنی ڈالتے ہوئے تبصرہ نگار نے لکھا ہے:

'' نیلم زرفشاں میں سماجی معاملات پر بہت سارے شعر ملتے ہیں۔۱۹۹۲ء کے بابری مسجد کے سانحہ کا عکس بھی صاف دکھائی دیتا ہے اور فرقہ وارانہ فسادات سے تباہی کا بھی۔'' ۸۹؎

شعری مجموعہ' تیرا کیا ہوگا اے گل تازہ؟' پر تبصرہ کرتے ہوئے دیپک بدکی یوں رقم طراز ہیں:

'' صلاح الدین کی نظموں میں محبوب کی پیکر تراشی، ہجر کی کیفیت، آرزوئے وصال، معشوق کی بیوفائی اور اپنے پیار کے مخلصانہ جذبات کا بیان ملتا ہے۔'' ۹۰؎

➤ رگ دریا (معصوم انصاری) :

معصوم انصاری کے شعری مجموعے' رگ دریا' میں بقول تبصرہ نگار جذبات اور خیالات کا ایک دریا سمٹا ہوا ہے۔ اس میں غم روزگار کی صعوبتیں، غربت کی تنہائیاں، اپنوں کی ستم ظریفیاں اور جلاوطنی کا درد چھپا ہوا ہے۔نمونۂ کلام:

'' ؎ شہر میں آ کر سب کچھ بھول گیا معصومؔ — سبز سنہرا گاؤں کا موسم یاد نہیں

؎ ایک پل میں عمر بھر کی تھکن دور ہوگئی — مدت کے بعد لوٹ کے جب اپنے گھر گئے

؎ راہوں کی گرد بن کے ہوا میں بکھر گئے — دنیا کو روندنے جو چلے تھے وہ مر گئے

◄ ابابیلیں نہیں آئیں (ڈاکٹر حنیف ترین) :

نفسیاتی امراض کا ڈاکٹر ہونے کے باوجود حنیف ترین شاعری کے لیے وقت نکالتے ہیں۔ ان کے شعری مجموعے 'ابابیلیں نہیں آئیں' پر دیپک بدکی نے اپنی رائے کا اظہار مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا ہے:

'' ڈاکٹر حنیف ترین کی شاعری پڑھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ ان پر علامہ اقبالؔ کا بہت گہرا اثر پڑا ہے۔ حالانکہ وہ اپنے آپ کو داغؔ کا شیدائی مانتے ہیں۔ اقبالؔ کی طرح وہ عالم اسلام سے مخاطب ہوتے ہیں، ان کی کوتاہیوں پر شکوہ کرتے ہیں اور انہیں بار بار یقین دلاتے ہیں کہ عمل محکم اور عمل پیہم ہی مردِ مومن کی نشانیاں ہوسکتی ہیں۔'' ۹۱

◄ شہر جہاں کی سرحدیں (اسد ثنائی) :

بقول دیپک بدکی 'شہر جہاں کی سرحدیں' کے شاعر اسد ثنائی کو ''علم و ہنر کا سرمایہ، ادراک کی دولت اور انسانی ہمدردی کا جذبہ ورثے میں ملا ہے''۔ ان کی شاعری میں مذہب اور اخلاقیات کا خاصا دخل ہے۔ مبصر مزید لکھتے ہیں کہ:

'' علامہ اقبالؔ کا اثر اسد ثنائی کی شاعری پر نمایاں ہے۔ وہ ہم عصر مسائل کا حل اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں۔'' ۹۲

◄ دھوپ لہو کی (ہمدم کاشمیری) :

'دھوپ لہو کی' کے مصنف ہمدم کاشمیری کشمیر کے معروف جدیدیت پسند شاعر ہیں جن کی شاعری میں علامتوں اور استعارات کا برمحل استعمال ہوتا ہے۔ ان کی شاعری بقول تبصرہ نگار '' انفرادی ردعمل ہے۔ وہ خود کو اس ماحول کا مرکز مان کر نغمہ زن ہیں جس میں بے کسی، لاچارگی، لاتعلقی اور غیر محفوظیت ہے۔'' انھوں نے کشمیر اور کشمیریوں کے درد و کرب کو بڑی خوبصورتی سے اپنی شاعری میں منعکس کیا ہے۔ مبصر مزید لکھتے ہیں کہ:

'' دنیا میں کہیں کسی جگہ کوئی واقعہ نمو پذیر ہو جائے تو کشمیری اپنا تیکھا ردعمل ظاہر کرنے کیلئے سڑکوں پر اتر آتے ہیں۔ خواہ وہ مصر و اسرائیل کی جنگ ہو یا امریکہ و عراق کی لڑائی ،بھٹو کی پھانسی ہو یا اسکو سولی پر چڑھانے والے ضیاء الحق کی نیچرل موت۔ کشمیری احتجاج ضرور کریں گے۔ خون کشمیریوں کا بہے گا، مکان کشمیریوں کے جلیں گے، کاروبار کشمیریوں کا ٹھپ ہو جائے گا۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہمدمؔ کہتے ہیں

؎ بستی میں کوئی قتل ہوا جب گھر میں شور مچایا ہم نے '' ۹۳

◄ گلشن گلشن پھول کھلے (شجاع الدین شاہدؔ) :

شجاع الدین شاہدؔ کی بچوں کی خاطر لکھی نظمیں اس مجموعے میں اکٹھا کی گئی ہیں۔ بقول تبصرہ نگار شجاع الدین '' شاہدؔ

مقصدی ادب کے قائل ہیں'' اور وہ رجائیت پسند ہیں۔ اسی لیے انھوں نے بچوں کے لیے سبق آموز نظمیں لکھی ہیں۔نمونۂ کلام:

''سچّی بات سدا کڑوی یعنی میرے جیسے ہی
بچو مجھ سا ہو جاؤ اپنی منزل پا جاؤ تم (ریل گاڑی)
چلتے رہو ساحل کی ترف تم بڑھتے رہو منزل کی طرف تم (ندیا) ''

➤ نیلام گھر (طاہر مضطؔر) :

بقول تبصرہ نگار طاہر مضطؔر نے دراصل صحافت میں اپنا لوہا منوایا ہے البتہ ان کا پہلا شعری مجموعہ 'نیلام گھر' ان کے خیالات اور نظریات کے اظہار کے لیے کافی مددگار ثابت ہوا ہے۔ یہ آزاد نظموں کا مجموعہ نہ صرف ان کی دلی کیفیت کو ظاہر کرتا ہے اور عشق مجازی کا آئینہ دار ہے بلکہ غم کائنات اور کشمیر کے پرسوز مناظر کا بھی مظہر ہے۔ ایک نظم کا اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

میں مسلمان ہوں/ اسلام کی بات کرتا ہوں/ تم ہی قرآن کی کوئی آیت بتاؤ/
کوئی حدیث سناؤ / جو کہے کہ وہ جو ہم نے کیا/ ٹھیک ہے۔ اچھا کیا؟

(نظم اپنی ذات سے سوال)

➤ سحر ہونے تک (آفتاب حسن سحؔر ردولوی) :

آفتاب حسن سحؔر ردولوی کا شعری مجموعہ 'سحر ہونے تک' روایتی اور کلاسیکی غزلوں کا مجموعہ ہے۔ ان کی شاعری میں بقول مبصر ''نہ صرف ذات کی کھوج ہے بلکہ اعلیٰ اقدار، علم کی افادیت اور ہستی کی ناپائیداری پر زور دیا گیا ہے۔ انھیں غم جہاں بھی ہے اور غم دوراں بھی۔'' چند اشعار:

میں اپنا آپ رہبر ہوں بغاوت میری فطرت ہے وہ کوئی اور ہوں گے جو ہوا کے ساتھ چلتے ہیں
تم ہمالہ ہو مبارک ہو بلندی تم کو میں تو دریا ہوں سمندر میں اُتر جاؤں گا

➤ باب تذکرہ :

باب تذکرہ کے بارے میں کچھ لکھنے سے پہلے تذکرہ نگاری کی خصوصیات کو جاننا ضروری ہے۔ اردو میں تذکرہ نگاری فارسی و عربی تذکروں کی تقلید میں داخل ہوگئی۔ تذکروں میں ادیبوں و شاعروں کی حیات، اس زمانے کے حالات اور ان کے فن پاروں کی اہمیت وغیرہ کو تنقیدی نقطۂ نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں کلیم الدین احمد 'پرانے تذکرے' میں فرماتے ہیں:

'' تذکروں میں جومختصر سا بیان ہوتا ہے۔اس میں تین اجزاء ہوتے ہیں (۱)شاعر کی زندگی (۲)شاعر کی شخصیت (۳)شاعر کے کلام پرتنقید۔ '' ۹۴

➤ گفتنی ۔حصہ دوم[نثر نگاروں کا تذکرہ](سلطانہ مہرؔ) :

'گفتنی ۔حصہ دوم (نثر نگاروں کا تذکرہ)' مشہور پاکستانی صحافی ،شاعر ،افسانہ نگاراور تذکرہ نگار سلطانہ مہر کی عرق ریزی کا نتیجہ ہے۔سلطانہ مہر نے اس سے پہلے بھی تذکرے لکھے ہیں جن میں انہوں نے پہلے خواتین شعرااور بعد میں عالمی اردو شعرااور نثر نگاروں کے کوائف درج کیے ہیں ۔اس تذکرے کے بارے میں دیپک بدکی فرماتے ہیں۔

> '' تذکرہ نگاری میں سلطانہ مہر نے جوکام کیا ہےاس کی مثال اردوادب میں بہت کم ملتی ہے۔۱۹۷۳ءمیں' آج کی شاعرات' میں۱۰۳پاکستانی شاعرات کا ذکرملتا ہےسخن ور(حصہ اول تاچہارم) بالترتیب۱۹۷۴ء ،۱۹۹۶ء،۱۹۹۸ء، اور۲۰۰۰ء میں منظرعام پرآئےجن میں۳۳۲ہم عصرشعراء کےکوائف درج ہیں ۔اس کے بعدمہرؔ نے نثر نگاروں کی جانب رخ کیااوراب تک گفتنی اول اورگفتنی دوم شائع کرواچکی ہیں ۔گفتنی اول (۲۰۰۰ء)میں۹۹نثر نگاروں کےتذکرےشامل ہیں جبکہ زیرنظرگفتنی دوم(۲۰۰۴ء)میں۸۶نثر نگاروں کے کوائف شامل ہیں۔'' ۹۵

➤ باب تنقید وتحقیق :

اس باب میں۱۲تنقیدی وتحقیقی کتابوں پرتبصرے شامل ہیں ۔ان میں زیادہ ترتحقیقی کتابیں ہیں جن پر دیپک بدکی نے تجزیہ کرکے کہیں کہیں تنقیدی باریکیوں کواجاگرکیا ہے۔

➤ تنقیدنما (مظہرامامؔ) :

باب تنقید وتحقیق میں سب سے پہلے دیپک بدکی نے مظہرامام کےتنقیدی مضامین کی کتاب 'تنقیدنما' کے بارے میں لکھا ہے۔اس کتاب میں مظہرامامؔ نے اقبالؔ، غالبؔ، رضاعلی وحشتؔ کلکتوی وغیرہ کےشاعری کا جائزہ لیا ہے ۔ایک جانب مظہرامام نے اقبالؔ کی فلسفیانہ شاعری کی تفہیم کی کوشش کی ہے وہیں دوسری جانب انھوں نے غالبؔ اور وحشتؔ کلکتوی کی شاعری کا موازنہ بھی کیا ہے۔اس کے بعدکئی نثر نگاروں کےفن پراپنے تاثرات درج کیے ہیں جیسے افسانہ نگار قاضی عبدالودود، دیویندرستیارتھی ، ذکی انوراور ہرچرن چاولہ،مزاح نگارمجتبیٰ حسین ،محقق مشفق خواجہ اورتنقید نگارشاراحمد فاروقی ۔آخرمیں اس کتاب کے بارے میں بدکی نے اپنے تاثرات کا اظہارمندرجہ ذیل الفاظ میں کیا ہے:

''مظہر امام کے نثر کی روانی، اسلوب کی انفرادیت اور اندازِ بیان کی دلفریبی کا یہ عالم ہے کہ میں نے اس کتاب پڑھنا شروع کی تو پڑھتا ہی چلا گیا اور اس کو نیچے رکھنے کا جی ہی نہیں کیا جب تک کہ اختتام پر یہ شعر پڑھ نہ لیا

؎ یہ راہِ خار و سنگ میرا انتخاب تھی
جو مرحلے بھی آئے وہ حسب قیاس تھے '' ۹۶

➤ تنقیدی شعور (ابراہیم اشکؔ) :

باب کا دوسرا تبصرہ ابراہیم اشک کی کتاب 'تنقیدی شعور' پر لکھا گیا ہے جس میں نہ صرف ابراہیم اشک کے نقوشِ حیات مختصراً پیش کیے گئے ہیں بلکہ 'تنقیدی شعور' میں شامل مضامین کا تجزیہ بھی ملتا ہے۔ یہی نہیں، بدکی نے ابراہیم اشک کی دوسری اہم تصنیف کا بھی ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی ان کے فلمی گانوں کی مقبولیت کو بھی سراہا ہے۔ اپنے تبصرہ میں اس کتاب پر روشنی ڈالتے ہوئے بدکی لکھتے ہیں کہ:

''زیرِ نظر کتاب میں جہاں شیرازیؔ، بیدلؔ، غالبؔ، اقبالؔ، اور فراقؔ جیسے شاعروں پر خامہ فرسائی کی گئی ہے وہیں تخلیق اور تنقید کے آپسی رشتے، نئی نسل، نئی نظم، الیکٹرانک میڈیا اور مولانا آزاد کے سیاسی شعور پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ موضوعات کے تنوع سے صاف ظاہر ہے کہ مصنف نے بحرِ علم میں غوطہ خوری کر کے موتی بھری سیپیاں نکالی ہیں۔'' ۹۷

➤ ساحرؔ لدھیانوی۔ حیات اور کارنامے (ڈاکٹر انور ظہیر انصاری) :

دراصل 'ساحرؔ لدھیانوی۔ حیات اور کارنامے' ڈاکٹر انور ظہیر انصاری کا تحریر کیا ہوا مقالہ ہے جو انھوں نے پی ایچ ڈی ڈگری حاصل کرنے کے لیے لکھا تھا اور اس کے بعد کتابی صورت میں شائع ہوا ہے۔ اس تحقیقی مقالے میں ساحرؔ لدھیانوی کی زندگی اور ان کے فن خاص کر غزلوں اور نظموں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ دیپک بدکی نے اس تحقیقی مقالے کا تجزیہ کرتے ہوئے اپنے تاثرات یوں قلم بند کیے ہیں:

''جہاں تک موضوعات کا تعلق ہے ساحرؔ نے فلمی سچوایشن کے مدنظر ہر موضوع پر نغمے لکھے ہیں۔ حب الوطنی سے لے کر قدرتی مناظر تک، مزاحیہ اور سنجیدہ سے لے کر حمد اور بھجن تک، انسانی رشتوں مثلاً بھائی بہن، ماں بیٹا یا بیٹی اور عاشق و محبوب سے بچوں کی نفسیات تک، سہرے سے لے کر رخصتی تک، تصورِ عشق سے نظریہ حسن تک اور فلسفہ زمان و مکان سے نظریۂ انسان اور فلسفۂ حیات تک ساحرؔ نے حسب موقع و ضرورت اپنے نظریات پیش کئے ہیں۔'' ۹۸

ڈاکٹر انصاری نے غزلوں اور فلمی گیتوں کے حوالے سے ساحرؔ کے چنندہ اشعار بھی بطور نمونہ پیش کیے ہیں۔ فلمی نغموں کے حوالے سے تبصرہ نگار فرماتے ہیں:

'' فلمی نغموں میں انہوں نے تشبیہات واستعارات کا اکثر استعمال کیا یہاں تک کہ ضرب المثال کا بھی خوب استعمال کیا ہے۔ یہ ساحر کا ہی کمال ہے کہ انہوں نے 'اس ملک کی سرحد کو کوئی چھو نہیں سکتا، میں ' آنکھ' کو بالکل نئے معنی ومفہوم سے آراستہ کیا اور استعارہ بنایا۔ اسی طرح وقت، عورت، انصاف اور شراب کو بھی انہوں نے نئی معنویت عطا کی۔ '' ۹۹

➤ خواجہ احمد عباس۔ ایک مطالعہ (ڈاکٹر غلام حسین) :

'خواجہ احمد عباس۔ ایک مطالعہ' تحقیقی مقالہ ہے جس کو ڈاکٹر غلام حسین نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری پانے کی خاطر لکھا تھا جو بعد میں کتابی صورت میں شائع ہوا۔ اس پر دیپک بدکی نے تبصرہ رقم کیا ہے۔ بقول تبصرہ نگار:

'' زیر نظر کتاب کی پانچ فصلوں میں خواجہ احمد عباس کی حیات وشخصیت، ناول نگاری، افسانہ نگاری، صحافت اور ترقی پسندی پر مدلل بحث کی گئی ہے۔ ان مختلف اصناف میں عباس کی خدمات پر روشنی ڈالنے سے پہلے محقق نے ہر صنف کا مختصر سا تاریخی جائزہ پیش کیا ہے۔'' ۱۰۰

➤ پنجاب کا طنزیہ ومزاحیہ نثری ادب (ڈاکٹر انوار احمد انصاری) :

پی ایچ ڈی کے لیے ڈاکٹر انوار احمد انصاری کا لکھا ہوا تحقیقی مقالہ 'پنجاب کا طنزیہ ومزاحیہ نثری ادب' پنجاب کے ان نثر نگاروں کا احاطہ کرتا ہے جنھوں نے طنز ومزاح کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا۔ اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے دیپک بدکی یوں رقم طراز ہیں:

'' ڈاکٹر انصاری نے فسانۂ عجائب کی شگفتہ نثر سے لے کر اردو مزاح کی سنگ میلوں جیسے غالب، سرسید، ڈپٹی نذیر احمد، حاجی بغلول، سرشار، عظیم بیگ چغتائی اور اکبرالہٰ آبادی کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔'' ۱۰۱

تبصرہ نگار مزید لکھتے ہیں کہ:

'' کتاب کے آخر میں مصنف نے تشخص کے عنوان کے تحت مذکورہ بالا ادیبوں کا مختصر حیات نامہ بھی درج کیا ہے۔ اس سے بہتر یہ رہتا کہ یہ مختصر حیات نامہ ہر مضمون کے آغاز میں دیا جاتا تاکہ اس ادیب کی زندگی کے کوائف کی جانکاری اس کے فن کے بارے میں جاننے سے پہلے ہی ہوجاتی۔'' ۱۰۲

➤ نثری زاویے (سید خالد محمود) :

دیپک بدکی نے سید خالد محمود کی کتاب 'نثری زاویے' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

'' نثری زاویے' سید خالد محمود کے مضامین، مقالات، تبصروں، استقبالیوں اور سپاس ناموں کا مجموعہ ہے جس میں بقول مصنف زیادہ تر مثبت پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے۔'' ۱۰۳

ظاہر ہے کہ یہ کتاب تنقیدی نوعیت کی ہے جس میں مختلف موضوعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔سب سے پہلے 'افسانہ نگاری۔ایک منفرد فن' کے عنوان سے مضمون شامل ہے جس میں پریم چند سے لے کر ہم عصر افسانہ نگاروں تک کا سفر درج ہے۔ مضمون 'منشی پریم چند۔مانک ٹالا کی نظر میں' میں مانک ٹالا کے بارے میں مختصر سی معلومات درج ہیں۔ ایک اور مقالہ جس میں انشا پردازی کی خصوصیات اور خوبیوں کا بیان ہے کتاب میں شامل ہے۔'غالب کی ہمہ گیری' کے تعلق سے تبصرہ نگار نے اپنی رائے کا اظہار یوں کیا ہے:

'' غالب کی ہمہ گیری' میں خالد محمود نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ غالب کی ترکیبیں اتنی جاندار اور زندہ ہیں کہ ان کا استعمال غالب کے بعد سینکڑوں مصنفین نے اپنی تصنیفات کے لئے بطور عنوان کیا ہے۔ '' ۱۰۴

➤ آخری گھڑے کا پانی (خلیق الزماں نصرت) :

'آخری گھڑے کا پانی' تنقیدی مضامین پر مبنی کتاب ہے جو خلیق الزماں نصرتؔ نے لکھی ہے۔اس کتاب کے حوالے سے تبصرے کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

'' تنقید نگار غیر شعوری طور پر غالبؔ کی خودداری اور انانیت کو اقبال سے موازنہ کر رہے ہیں کہ غالبؔ نے دینی تلمیحات پر جو طنز کیا ہے وہ اُس سے بدظن ہو رہے ہیں مگر وہ بھول جاتے ہیں کہ غالبؔ اور اقبالؔ میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔غالبؔ صرف شاعر تھے،فلاسفر نہیں جبکہ اقبالؔ فلاسفر پہلے اور شاعر بعد میں تھے۔ '' ۱۰۵

➤ حیدر قریشی فن اور شخصیت (نذیر فتح پوری اور سنجے گوڑ بولے) :

نذیر فتح پوری اور سنجے گوڈ بولے کی تصنیف 'حیدر قریشی ۔فن اور شخصیت' میں پاکستانی ادیب، ماہیا نگار اور صحافی، حیدر قریشی، جو آج کل جرمنی میں رہتے ہیں، کی زندگی اور ان کی نظموں، غزلوں، ماہیوں ، افسانوں اور خاکوں پر روشنی ڈالی گئی۔زیر نظر تبصرے میں بدکی نے اس کتاب کا تجزیہ کیا ہے۔چند اشعار بطور نمونہ:

؎ سانپ بن کر ڈس گئیں اک دن لکیریں ہاتھ کی   قسمتوں میں رہ گئے اب صرف یادوں کے عذاب

؎ رہ جاتی ہیں تدبیریں / خواب ہیں ہم شاید / اور اصل ہیں تصویریں

؎ ناکامی سے ڈرتے ہو / عشق بھی کرتے ہو / بدنامی سے ڈرتے ہو

➤ سیفی سرونجی۔ایک تنقیدی نظر (محمد متین ندوی) :

'سیفی سرونجی۔ایک تنقیدی نظر' محمد متین کی تحریر کی ہوئی کتاب ہے جس میں 'سہ ماہی انتساب' سرونج کے مدیر، شاعر اور مضمون نگار ڈاکٹر سیفی سرونجی کی حیات اور فن پر بھرپور روشنی ڈالی گئی ہے اور اس کی شاعری کو تنقید کی کسوٹی پر جانچنے کی کوشش کی گئی ہے۔اس کتاب کے بارے میں تبصرہ نگار نے اپنی رائے یوں دی ہے:

’’ محمد متین ندوی صاحب نے جس چابکدستی سے سیفی سرونجی کی ہمہ گیر تخلیقی کائنات کو سمیٹا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔قاری بڑے اطمینان کے ساتھ اس کائنات کی سیر کرتا ہے اور کہیں پر تھکن یا اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا۔ یہ تصنیف آنے والی پیڑھیوں کے لیے ایک گرانقدر دستاویز بن جائے گی۔‘‘ ۱۰۶

➤ جانشین داغ۔ بھائی جان عاشق (سنجے گوڑبولے) :

تالیف میں مؤلف کسی شاعر اور اس کے کلام پر لکھی مختلف تحریروں کو جمع کر کے کتابی شکل میں پیش کرتا ہے۔ سنجے گوڑ بولے نے ’جانشین داغ۔ بھائی جان عاشق‘ کے عنوان سے دیوان عاشق کا آخری حصہ ’ی‘ کے ردیف سے تالیف کیا ہے۔ بقول تبصرہ نگار ’’عشق و محبت کے مضامین، زبان و بیان کی خوبیاں، سلاست و فصاحت کی رعنائیاں ان کے کلام میں موجود ہیں۔‘‘ مبصر نے اس کتاب کے مشمولات کے بارے میں لکھا ہے کہ:

’’ گوڑ بولے کے ابتدائیہ مضمون کے بعد منظور الحسن برکاتی نے ’حضرت داغ دہلوی کے نو رتنوں میں سے ایک رتن اور تلمیذ عاشق ٹونکی‘ کے عنوان سے عاشق کی حیات، شخصیت اور کلام پر مدلل روشنی ڈالی ہے۔ ‘‘ ۱۰۷

➤ پروفیسر بلبیر ورما اخگر۔احوال و شاعری (سنجے گوڑبولے) :

سنجے گوڑ بولے کی ایک اور تالیف کردہ کتاب ’پروفیسر بلبیر وَرما اخگر۔احوال و شاعری‘ کے نام سے شائع ہوئی ہے ۔سنجے گوڑ بولے نے اخگر صاحب سے متاثر ہو کر ان کے بارے میں لکھی گئی تحریروں کو جمع کر کے ان کی شخصیت اور کلام کو خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔بدکی نے اس کتاب اور اخگر کے کلام کا بھرپور تجزیہ کر کے اس پر تبصرہ لکھا ہے۔اخگر نظم کو غزل کے مقابلے میں زیادہ پسند کرتے تھے۔ان کی شاعری کے بارے میں تبصرہ نگار لکھتے ہیں کہ:

’’ ان کی شاعری میں عشق و محبت ، عشق حقیقی و مجازی اور انسان کی زندگی کے ایسے مسئلوں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے جن پر تصوف اور عرفان کا گماں ہوتا ہے۔عشق کے بارے میں شاعر رقم طراز ہیں:

حقیقت محبت کی مانو نہ مانو
مگر بے حقیقت محبت نہیں ہے ‘‘ ۱۰۸

➤ غالبیات پر تین یادگار تقریریں (سنجے گوڑبولے) :

دیپک بدکی نے سنجے گوڑ بولے کی ایک اور تالیف ،جس کا عنوان ’غالبیات پر تین یادگار تقریریں‘ ہے، پر تبصرہ کیا ہے۔اس تالیف میں مؤلف نے غالبؔ پر علی سردار جعفری، کالی داس گپتا رضا اور خلیق انجم کی تین یادگار تقریروں کو مرتب کر کے آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ کر دیا ہے۔

➤ باب متفرقات

➤ ادیبوں کے لطیفے (کے ایل نارنگ ساقؔی) :

باب متفرقات میں ظرافت سے جڑی ہوئی کتاب شامل کی گئی ہے جس کو کے ایل نارنگ ساقؔی نے لکھا ہے۔ مصنف اپنی مہمان نوازی اور خوش خلقی کے لیے مشہور ہیں اور اسی وجہ سے بہت سارے ادیبوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔انھوں نے محفلوں میں سنے ادیبوں سے وابستہ لطیفوں کو اکٹھا کر کے بہت بڑا کام کیا ہے کیونکہ اس میدان میں کم ہی ادیب دلچسپی لیتے ہیں۔اس کتاب کے بارے میں تبصرہ نگار لکھتے ہیں کہ:

'' زیرِ نظر کتاب میں ساقؔی نے ۳۳ شاعروں ،۹فکشن نگاروں اور ۸مزاح نگاروں کے لطائف شامل کئے ہیں۔ چند ایک غیر اردو داں ادیبوں اور سیاستدانوں کے لطائف بھی شامل اشاعت ہیں۔ اس کے علاوہ متفرقات میں کبھی کئی ادبی و غیر ادبی شخصیتوں سے وابستہ لطیفے رقم کئے گئے ہیں۔'' ۱۰۹

اس بات کو پہلے بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ دیپک بدکی پیشہ ور نقاد نہیں ہے لیکن ان کے تبصروں اور تنقیدی مضامین کو پڑھ کر اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ وہ جتنے اچھے معیاری افسانے تحریر کرتے ہیں اتنی ہی صدق دلی اور ہنر مندی سے تنقیدی مضامین اور تبصرے بھی رقم کرتے ہیں۔

☆☆

باب: ۱ . ۲ . ۴ : عصری تحریریں ۔ تبصرے

حوالہ جات

نمبر	مضمون / تصنیف	مصنف / مدیر	صفحہ
(۱)	بحوالہ ورق ورق آئینہ: دیپک بدکی شخصیت اور فن مرتبین	۱) پروفیسر شہاب عنایت ملک ۲) ڈاکٹر فرید پربتی ۳) ڈاکٹر انور ظہیر انصاری	۲۰۵
(۲)	افسانوی مجموعہ 'بے ثمر سچ' نور شاہ ، بحوالہ عصری تحریریں	دیپک بدکی	۸۴
(۳)	افسانوی مجموعہ 'کرفیو سخت ہے' انیس رفیع ، بحوالہ عصری تحریریں	دیپک بدکی	۸۲
(۴)	افسانوی مجموعہ 'گہن، خواب اور کلیاں' سمیرا حیدر، بحوالہ عصری تحریریں	دیپک بدکی	۱۲۸
(۵)	افسانوی مجموعہ 'تماشائے اہل کرم' ڈاکٹر گوہر علی خان'، بحوالہ عصری تحریریں	دیپک بدکی	۱۴۵
(۶)	افسانوی مجموعہ 'یادوں کے جھروکے' زہرہ مسحور ، بحوالہ عصری تحریریں	دیپک بدکی	۱۴۶
(۷)	افسانوی مجموعہ 'کرفیو سخت ہے' انیس رفیع ، بحوالہ عصری تحریریں	دیپک بدکی	۷۹
(۸)	ایضاً "	"	۸۲
(۹)	ایضاً "	"	۸۱
(۱۰)	ایضاً "	"	۸۲
(۱۱)	ایضاً "	"	۸۲
(۱۲)	افسانوی مجموعہ 'بے ثمر سچ' نور شاہ ، بحوالہ عصری تحریریں	دیپک بدکی	۸۴
(۱۳)	ایضاً "	"	۸۴
(۱۴)	ایضاً "	"	۸۵
(۱۵)	ایضاً "	"	۸۵
(۱۶)	ایضاً "	"	۸۵_۸۶
(۱۷)	ایضاً "	"	۸۵
(۱۸)	افسانوی مجموعہ 'برف کی آگ' دیپک کنول ، بحوالہ عصری تحریریں	دیپک بدکی	۸۷_۸۸

(۱۹) ایضاً	” ”	۹۰
(۲۰) ایضاً	” ”	۸۸
(۲۱)افسانوی مجموعہ ’سیمبر زل‘ ترنم ریاض ، بحوالہ عصری تحریریں	دیپک بدکی	۹۱
(۲۲) ایضاً	” ”	۹۱
(۲۳) ایضاً	” ”	۹۲
(۲۴)ناول ’مورتی‘ ترنم ریاض ، بحوالہ عصری تحریریں	دیپک بدکی	۹۳
(۲۵) ایضاً	” ”	۹۳
(۲۶) ایضاً	” ”	۹۳
(۲۷)ناول ’اوس کی جھیل‘ انل ٹھکر ، بحوالہ عصری تحریریں	دیپک بدکی	۹۲
(۲۸) ایضاً	” ”	۹۵
(۲۹) ایضاً	” ”	۹۲
(۳۰) ایضاً	” ”	۹۲
(۳۱)افسانوی مجموعہ ’کال کوٹھری‘ نعیم کوثر ، بحوالہ عصری تحریریں	دیپک بدکی	۹۷
(۳۲) ایضاً	” ”	۱۰۰
(۳۳)افسانوی مجموعہ ’نجات‘ معین الدین عثمانی ، بحوالہ عصری تحریریں	دیپک بدکی	۱۰۲
(۳۴) ایضاً	” ”	۱۰۲
(۳۵) ایضاً	” ”	۱۰۲
(۳۶)افسانوی مجموعہ ’برف پر ننگے پاؤں‘ شاہد اختر، بحوالہ عصری تحریریں	دیپک بدکی	۱۰۳
(۳۷) ایضاً	” ”	۱۰۵۔۱۰۶
(۳۸) ایضاً	” ”	۱۰۳
(۳۹) ایضاً	” ”	۱۰۶
(۴۰) ایضاً	” ”	۱۰۳
(۴۱)ناول ’شہر میں سمندر‘ شاہد اختر، بحوالہ عصری تحریریں	دیپک بدکی	۱۰۷
(۴۲) ایضاً	” ”	۱۰۸

(۴۳)افسانوی مجموعہ ’نئی صدی کا عذاب‘ ایم مبین ، بحوالہ عصری تحریریں دیپک بدکی ۱۰۹

(۴۴) ایضاً ’’ ’’ ۱۱۱

(۴۵) ایضاً ’’ ’’ ۱۱۱

(۴۶) ایضاً ’’ ’’ ۱۱۲

(۴۷)افسانوی مجموعہ ’ٹوٹی چھت کا مکان‘ ایم مبین ، بحوالہ عصری تحریریں دیپک بدکی ۱۱۴

(۴۸) ایضاً ’’ ’’ ۱۱۴

(۴۹) ایضاً ’’ ’’ ۱۱۷

(۵۰)افسانوی مجموعہ ’ماٹی کہے کمہار سے‘ آر ڈی شرما تاثیر ، بحوالہ عصری تحریریں دیپک بدکی ۱۱۸

(۵۱) ایضاً ’’ ’’ ۱۱۹

(۵۲) ایضاً ’’ ’’ ۱۲۰

(۵۳)افسانوی مجموعہ ’مردم گزیدہ‘ اقبال حسین آزاد ، بحوالہ عصری تحریریں دیپک بدکی ۱۲۳

(۵۴) ایضاً ’’ ’’ ۱۲۴

(۵۵) ایضاً ’’ ’’ ۱۲۱

(۵۶)افسانوی مجموعہ ’قرمزی رشتے‘ سمیرا حیدر ، بحوالہ عصری تحریریں دیپک بدکی ۱۲۵

(۵۷) ایضاً ’’ ’’ ۱۲۵

(۵۸) ایضاً ’’ ’’ ۱۲۷

(۵۹)افسانوی مجموعہ ’گہن، خواب اور کلیاں‘ سمیرا حیدر ، بحوالہ عصری تحریریں دیپک بدکی ۱۲۸

(۶۰) ایضاً ’’ ’’ ۱۳۰

(۶۱)افسانوی مجموعہ ’ہتھیار‘ ڈاکٹر انوار احمد انصاری ، بحوالہ عصری تحریریں دیپک بدکی ۱۳۱

(۶۲) ایضاً ’’ ’’ ۱۳۱

(۶۳) ایضاً ’’ ’’ ۱۳۳

(۶۴)افسانوی مجموعہ ’ڈوم‘ مجیر احمد آزاد ، بحوالہ عصری تحریریں دیپک بدکی ۱۳۷

(۶۵) ایضاً ’’ ’’ ۱۳۷

(۶۶) ایضاً ’’ ’’ ۱۳۹

(۶۷)افسانوی مجموعہ 'سلاخیں' رشید الدین ، بحوالہ عصری تحریریں		دیپک بدکی	۱۴۰
(۶۸) ایضاً	”	”	۱۴۱
(۶۹) ایضاً	”	”	۱۴۱
(۷۰)افسانوی مجموعہ 'تماشائے اہل کرم' ڈاکٹر میر گوہر علی خان ، بحوالہ عصری تحریریں		دیپک بدکی	۱۴۵
(۷۱) ایضاً	”	”	۱۴۳
(۷۲) ایضاً	”	”	۱۴۴
(۷۳) ایضاً	”	”	۱۴۴
(۷۴)افسانوی مجموعہ 'یادوں کے جھروکے' زہرہ مسحور ، بحوالہ عصری تحریریں		دیپک بدکی	۱۴۶
(۷۵) ایضاً	”	”	۱۴۶
(۷۶) ایضاً	”	”	۱۴۸
(۷۷)شعری مجموعہ 'انہار' رفیق راز ، بحوالہ عصری تحریریں		دیپک بدکی	۱۴۹
(۷۸)شعری مجموعہ 'دشتِ تنہائی' سیدہ نسرین نقاش ، بحوالہ عصری تحریریں		دیپک بدکی	۱۶۶
(۷۹)شعری مجموعہ 'گفتگو چاند سے' ڈاکٹر فرید پربتی ، بحوالہ عصری تحریریں		دیپک بدکی	۱۶۰_۱۵۹
(۸۰)غزل مجموعہ 'خیال آباد' عالم خورشید ، بحوالہ عصری تحریریں		دیپک بدکی	۱۵۳_۱۵۲
(۸۱)شعری مجموعہ 'صاحبِ فن' ف س اعجاز ، بحوالہ عصری تحریریں		دیپک بدکی	۱۵۷
(۸۲) شعری مجموعہ 'گفتگو چاند سے' ڈاکٹر فرید پربتی ، بحوالہ عصری تحریریں		دیپک بدکی	۱۶۰_۱۵۹
(۸۳) ایضاً	”	”	۱۶۰
(۸۴) ایضاً	”	”	۱۶۰
(۸۵)شعری مجموعہ 'دشتِ تنہائی' سیدہ نسرین نقاش، بحوالہ عصری تحریریں		دیپک بدکی	۱۶۶
(۸۶)شعری مجموعہ 'انہار' رفیق راز ، بحوالہ عصری تحریریں		دیپک بدکی	۱۷۱
(۸۷)'ٹھنڈا موسم' صلاح الدین نیرّ ، بحوالہ عصری تحریریں		دیپک بدکی	۱۷۵
(۸۸)'تب جا کے ترے شہر میں آئینہ بنا ہو' (صلاح الدین نیرّ ۔ شخصیت اور شاعری ۔تنقید) ، بحوالہ عصری تحریریں		دیپک بدکی	۱۸۰
(۸۹)شعری مجموعہ 'نیلم زرفشاں' صلاح الدین نیرّ ، بحوالہ عصری تحریریں		دیپک بدکی	۱۸۲

(۹۰)شعری مجموعہ 'تیرا کیا ہوگا اے گل تازہ؟' صلاح الدین نیرؔ ، بحوالہ عصری تحریریں دیپک بدکی ۱۸۵

(۹۱)شعری مجموعہ 'ابابلیں نہیں آئیں' ڈاکٹر حنیف ترین ، بحوالہ عصری تحریریں دیپک بدکی ۱۹۴

(۹۲)شعری مجموعہ 'شہر جاں کی سرحدیں' اسد ثنائی ، بحوالہ عصری تحریریں دیپک بدکی ۱۹۸

(۹۳)شعری مجموعہ 'دھوپ لہو کی' ہمدم کاشمیری ، بحوالہ عصری تحریریں دیپک بدکی ۲۰۳

(۹۴)اردو تنقید پر ایک نظر کلیم الدین احمد ۱۹

(۹۵) تذکرہ 'گفتنی۔حصہ دوم' سلطانہ مہر ، بحوالہ عصری تحریریں دیپک بدکی ۲۱۹

(۹۶)تنقید 'تنقید نما' مظہر امام ، بحوالہ عصری تحریریں دیپک بدکی ۲۲۶

(۹۷)تنقید 'تنقیدی شعور' ابراہیم اشک ، بحوالہ عصری تحریریں دیپک بدکی ۲۲۷

(۹۸)تحقیق 'ساحؔر لدھیانوی۔حیات اور کارنامے' انور ظہیر انصاری، بحوالہ عصری تحریریں دیپک بدکی ۲۳۴

(۹۹) ایضاً " " ۲۳۵

(۱۰۰)تحقیق 'خواجہ احمد عباس ایک مطالعہ' ڈاکٹر غلام حسین ، بحوالہ عصری تحریریں دیپک بدکی ۲۴۲

(۱۰۱)تحقیق 'پنجاب کا طنزیہ مزاحیہ نثری ادب' ڈاکٹر انوار احمد انصاری، بحوالہ عصری تحریریں دیپک بدکی ۲۴۴

(۱۰۲) ایضاً " " ۲۴۴

(۱۰۳)تحقیق 'نثری زاویے' سید خالد محمود ، بحوالہ عصری تحریریں دیپک بدکی ۲۴۵

(۱۰۴) ایضاً " " ۲۴۶

(۱۰۵)تنقید 'آخری گھڑے کا پانی' خلیق الزمات نصرت، بحوالہ عصری تحریریں دیپک بدکی ۲۵۰

(۱۰۶)تنقید 'سیفی سرونجی۔ایک تنقیدی نظر' محمد متین ندوی ، بحوالہ عصری تحریریں دیپک بدکی ۲۶۲

(۱۰۷)تحقیق 'جانشین داغ۔بھائی جان عاشقؔ' سنجے گوڈبولے ، بحوالہ عصری تحریریں دیپک بدکی ۲۶۳

(۱۰۸)تحقیق 'پروفیسر بلبیر ورما انگر۔احوال وشاعری' سنجے گوڈبولے، بحوالہ عصری تحریریں دیپک بدکی ۲۶۸

(۱۰۹)ظرافت 'ادیبوں کے لطیفے' اے ایک نارنگ ساقیؔ ، بحوالہ عصری تحریریں دیپک بدکی ۲۷۶

☆☆

باب: ۲ . ۲ . ۴

عصری شعور ۔ تبصرے

(اشاعتِ اوّل.............۲۰۰۹ء)

جس طرح ایک اچھا افسانہ نگار اپنی تخلیقات سے قارئین کے دلوں میں جگہ بنالیتا ہے اُسی طرح ایک تنقید نگار بھی اپنے تنقیدی مضامین اور تبصروں سے اپنی شناخت بنانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ دیپک بدکی ایک اچھے افسانہ نگار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے تبصرہ نگار بھی ہیں۔ ان کی تبصرہ نگاری سے متاثر ہو کر ڈاکٹر مجیر احمد آزاد اپنی رائے مندرجہ ذیل الفاظ میں قلم بند کرتے ہیں:

'' دیپک بدکی کے تبصرے عام روش سے ہٹ کر ہوتے ہیں جس کو تخلیق کار بھی پسند کرتا ہے۔'' [1]

دیپک بدکی کے تبصرے پڑھ کر یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ وہ کسی پہلے سے بندھے ٹکے نظریے کو لے کر کسی کتاب پر تبصرہ نہیں کرتے اور تبصرہ کرتے وقت وہ مطالعہ، مشاہدہ اور تجربہ تینوں سے کام لیتے ہیں۔ اس بارے میں خود بدکی کا کہنا ہے کہ:

'' میں جب تک تصنیف کو اول سے آخر تک نہیں پڑھتا اس پر قلم نہیں اٹھاتا اور جب اس تصنیف کو پورا پڑھتا ہوں تو کم سے کم الفاظ میں اس کا لب لباب پیش کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اور ساتھ ہی اپنی بے لاگ رائے بھی قلمبند کرتا ہوں۔'' [2]

'عصری شعور' سے پہلے دیپک بدکی کے تنقیدی مضامین اور تبصروں پر مبنی کتاب 'عصری تحریریں' منظر عام پر آچکی تھی جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ 'عصری شعور' میں تین فصلوں کے تحت مضامین کی تقسیم کی گئی ہے۔ چنانچہ 'فصل اوّل ۔مضامین' پر پہلے ہی بحث کی گئی ہے اس لیے یہاں پر صرف فصل دوم، جس میں ایک افسانے کا جائزہ لیا گیا ہے، اور فصل سوم جس میں نثری اور منظوم تخلیقات پر تبصرے کیے گئے ہیں، پر روشنی ڈالی جائے گی۔

➤ فصل دوم ۔ جائزہ

➤ افسانہ 'میں مسز درگا بھارگو کا شوہر ہوں' (قاضی مشتاق احمد) :

اس مضمون میں دیپک بدکی نے قاضی مشتاق احمد کے لکھے ہوئے افسانے 'میں مسز درگا بھارگو کا شوہر ہوں' کا تجزیہ کیا ہے اور انتقادی نقطۂ نگاہ سے کھرا پایا ہے۔ کہانی کی تھیم، موضوع، اور کردار سبھی قابلِ ستائش ہیں۔ فرماتے ہیں کہ:

'' احساس کمتری پر مبنی یہ کہانی انسانی نفسیات کی دبیز تہوں کو ہنرمندی سے ہمارے سامنے لاتی ہے۔ افسانے میں ایک ساتھ دو متوازی کہانیاں رواں دواں ہیں مگر وحدتِ تاثر ابتداء سے انجام تک برقرار رہتا ہے۔ ایک جانب درگا بھارگو ہے جو ایک غریب مفلس لڑکے کو فرش سے اٹھا کر عرش تک پہنچا دیتی ہے جس کے بدلے میں سنیل دوبے اپنے ردعمل اور عقیدت سے اس کی محبتوں اور عنایتوں کا سر عام اعتراف کرتا ہے جبکہ دوسری

جانب سدھارتھ بھارگو ہے جو اپنی بیوی کی عزت اور شہرت دیکھ کر کسمسا تا ہے۔ وہ اپنی بیوی کو فراموش کرتا ہے اور اسی گھٹن کے باعث درگا بھارگو داعی اجل کی لبیک کہتی ہے۔ ''[۳]

دیپک بدکی نے اس افسانے کے کرداروں کی کثیر الجہتی کو سراہا ہے اور اس حوالے سے لکھتے ہیں:

'' افسانے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کا مرکزی کردار غیر موجود ہوکر بھی ہر جگہ موجود ہے۔ افسانہ درگا بھارگو کے ارد گرد بُنا گیا ہے مگر خود درگا بھارگو زندہ نہیں ہے۔ وہ صرف یادیں چھوڑ کر جا چکی ہیں۔ ہمیں اس کے کردار کے بارے میں یا تو اس کے شوہر کے ذریعے جانکاری ملتی ہے یا پھر سنیل دوبے کے ذریعے جس کی لیاقت اور قابلیت کو دیکھ کر درگا بھارگو اپنے سرمایے سے اس کو امریکا بھیج دیتی ہے۔ میرے پھوپھا کہا کرتے تھے کہ ''اگر دائیں ہاتھ سے کسی کی مدد کرو تو بائیں ہاتھ کو خبر نہیں ہونی چاہئے''۔ درگا بھارگو بھی اسی قول کی قائل ہے۔ اس نے سنیل پر کبھی احسان نہیں جتایا یہاں تک کہ وہ اپنی بیماری کے بارے میں سنیل کو اطلاع دینے سے اپنے شوہر کو روکتی ہے۔ وہ سنیل کی پڑھائی میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ڈالنا چاہتی ہے۔ اتنا ہی نہیں وہ سنیل کی دلہن کے لیے اپنے شوہر کے پاس سونے کے کنگن امانت رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ درگا بھارگو 'مائی' کہلاتی ہے کیونکہ سنیل اس عورت میں ماں کا روپ دیکھ لیتا ہے۔ اس کے باوجود اتنی عظیم شخصیت بھی اپنے خاوند کی بے اعتنائی سے دل برداشتہ ہو جاتی ہے اور اندر ہی اندر گھل کر موت کو گلے لگاتی ہے۔'' [۴]

کئی دفعہ تصویریں صاف ہو کر بھی دھندلی نظر آتی ہیں جیسا کہ اس افسانے میں ایک طرف مسز درگا بھارگو ہے جو انسان دوست ہو کر بھی فراموشی کی آگ میں جل جاتی ہے اور ہمیشہ کے لیے دنیا سے رخصت ہو جاتی ہے اور دوسری طرف ڈاکٹر بھارگو ہے جو اپنے پیشے میں خوب نام کماتا ہے لیکن اپنی بیوی کی شہرت کو دیکھ کر آئیڈینٹٹی کرائسس (Identity Crisis) میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ بہر حال دیپک بدکی نے جس طرح سے کہانی کا جائزہ لیا ہے وہ نہایت ہی عمدہ اور اچھوتا ہے۔

➤ فصل سوم۔ تبصرے

➤ باب : افسانوی مجموعے :

اس باب میں مختلف ادیبوں کے افسانوی مجموعوں پر دیپک بدکی کے لکھے ہوئے تبصرے شامل ہیں۔ اس بات کا پہلے بھی ذکر آ چکا ہے کہ تبصرہ تنقید کی ہی ایک قسم ہے۔ جیسے تنقید میں نقاد تخلیق کار کی تحریر کو مثبت و منفی پہلو سے دیکھتا ہے اسی طرح تبصرے میں بھی وہ خوبیوں اور خامیوں کی نشاندہی کرتا ہے البتہ اختصار کے ساتھ۔ اس باب میں بدکی نے کل ۱۱ (گیارہ) افسانوی مجموعوں پر تبصرے کیے ہیں۔ ان تبصروں کی ہائی لائٹس ملاحظہ فرمائیں:

☆ '' ان (جتیندر بلو) کے افسانوں کا غالب موضوع جنس ہے۔ انہوں نے جنس کو سعادت حسن منٹو کی حدود سے

بہت آگے نکالا ہے۔ '' ۵ے

☆ '' موصوف (نعیم کوثر) کے افسانے ہم عصر زندگی کو آئینہ دکھاتے ہیں۔ انھوں نے بھوپال گیس ٹریجڈی پر بھی کہانیاں لکھی ہیں اور بابری مسجد پر بھی۔ وہ ملاؤں کی رجعت پسند سوچ سے اتنے ہی برہم ہیں جتنے جدیدیت کے نام پر ہورہی مغربی زندگی کی تقلید پر۔'' ٦ے

☆ '' گلزار کے ہاں تقسیم وطن کا درد کئی کہانیوں میں نظر آتا ہے۔ وہ اس درد کو نہ تو ہندو اور نہ مسلمان کی عینک سے دیکھتے ہیں بلکہ ایک انسان کی نظر سے دیکھتے ہیں۔'' ۷ے

☆ '' سالک جمیل کی زبان منجی ہوئی ہوتی ہے اور اغلاط سے پاک وصاف بھی۔ انہوں نے پریم چند، منٹو اور کرشن چندر سے کافی اثر لیا ہے۔'' ۸ے

☆ '' اندرا شبنم کا ہاتھ ہمیشہ اپنے معاشرے کی نبض پر رہتا ہے۔ موجودہ سماج کی پیچیدگیوں کو انہوں نے کئی کہانیوں کا موضوع بنایا ہے۔ 'قدرت کا کرشمہ' میں وہ اپنے سماج پر یوں طنز کرتی ہیں کہ زلزلے سے مفلوج زدہ لوگوں کو ہم پل بھر کے لیے اخباروں کی سرخیاں اور ٹیلی ویژن کی زینت بناتے ہیں اور پھر انہیں ایسے فراموش کرتے ہیں کہ ان کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔'' ۹ے

☆ '' منظر نگاری خوب ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ افسانہ نگار کی تحریر پر کرشن چندر کی چھاپ ہے۔ یہ خوش آئند بات بھی ہے کہ انہی وادیوں سے پھر ایک ایسا افسانہ نگار ابھرا جو بلند و بالا پہاڑوں کی اونچائی ناپ سکتا ہے، بادِ صبا کے لمس کو محسوس کر سکتا ہے، بہتے جھرنوں کے نغمے سن سکتا ہے اور خود چراگاہوں میں بانسری کی تان چھیڑ سکتا ہے۔ (مشتاق احمد وانی)'' ۱۰ے

دیپک بدکی نے اپنے تبصروں میں جہاں کہیں بھی تنقیدی زاویے پیش کیے ہیں ان میں تاثراتی و تاریخی تنقید کے ساتھ عمرانی و جمالیاتی تنقید بھی شامل ہوتی ہے۔

➤ چکّر (جتیندر بلّو) :

'چکّر' جتیندر بلّو کا پانچواں افسانوی مجموعہ ہے جس میں چار طویل اور چار نیم طویل کہانیاں شامل ہیں۔ ان کے افسانوں میں جو باتیں نظر آتی ہے ان کو دیپک بدکی نے کسی لاگ لپیٹ کے بغیر بیان کیا ہے۔ چنانچہ جتیندر بلّو یورپ میں رہتے ہیں اور جنسی موضوعات پر کھل کر لکھتے ہیں اس لیے ممکن ہے کہ ان کی سوچ اور قارئین کی سوچ میں بہت فرق ہو۔ اسی لیے تبصرہ نگار نے دونوں ملکوں کے معاشرے کو الگ الگ زاویوں سے جانچا ہے اور کرداروں کے بارے میں وضاحت کر کے وہاں کے لوگوں کی سوچ وفکر کو اجاگر کیا ہے۔ اس طرح قارئین کو موضوعات اور کرداروں کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے اور ان کو کسی ثقافتی جھٹکے کا سامنا نہیں کرنا پڑتا ہے۔ اس سلسلے میں تبصرہ نگار نے جتیندر بلّو کے افسانوں کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار یوں کیا ہے:

'' جتیندر بلّو عرصہ دراز سے لندن میں مقیم ہیں۔ اس لیے دو تہذیبوں کے تفاوت سے جوجھ رہے ہیں۔یہی تصادم ان کے کرداروں میں بھی جا بجا ملتا ہے۔ایک طرف یوروپی کردار ہیں جو آزاد رو،انا پرست اور مادیت پسند ہیں جبکہ دوسری طرف ہندوستان کردار (مشرقی کردار زیادہ موزوں رہے گا) ہیں جو روایتی بندھنوں، روحانی پیچیدگیوں اور مشرقی قدروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ان کے یوروپی کردار کھلے پن کے باعث مختلف جنسی افعال میں ملوث رہتے ہیں جبکہ مشرقی کردار سماجی پابندیوں (Repression) کے سبب ہر وہ فعل کرنے کے تمنائی ہیں جو اس ریپریشن کا ثمرہ ہیں۔'' ۱۱

جتیندر بلّو کے افسانوں کے موضوعات اور طرزِ تحریر کے انوکھے پن کے بارے میں مبصر نے اس طرح سے اشارہ کیا ہے تا کہ قاری نئی سوچ اور فکر سے روشناس ہو سکے اور مغربی معاشرے میں آ رہی تبدیلیوں سے آشنا ہو۔وہ اپنے وقت سے بہت آگے ہیں اور مشرقی معاشرہ اسے منظور کرنے سے ہچکچاتا ہے۔ان تبصروں سے مبصر کے ذوق مطالعہ اور شوق مشاہدہ کا بھی پتہ چلتا ہے۔بقول مبصر:

'' ان کے افسانوں کا غالب موضوع جنس ہے۔انہوں نے جنس کو سعادت حسن منٹو کی حدود سے بہت آگے نکالا ہے۔ ایب نارمل سیکس (Abnormal sex) پر انہوں نے خاص توجہ دی ہے چنانچہ ان کے کردار مشت زنی، نمائش پسندی ،اذیت پسندی و اذیت رسانی، ذہنی صحبت، دَرز بینی اور دیگر ایسی ہی جنسی کجرویوں میں مبتلا ہیں۔'' ۱۲

➤ اقرار نامہ (نعیم کوثر) :

نعیم کوثر کے افسانوی مجموعے 'اقرار نامہ' میں چودہ افسانے ہیں۔ان افسانوں میں کہیں بھی گنجلک علامتوں کا استعمال نہیں کیا گیا ہے بلکہ بیانیہ طرز انداز اپنایا گیا ہے۔ان کے بارے میں تبصرہ نگار فرماتے ہیں کہ:

'' نعیم کوثر کے افسانے اس روایتی اسکول سے تعلق رکھتے ہیں جس کی سنگ بنیاد پریم چند اور اس کے پیروکاروں نے بیسویں صدی کے کے اوائل میں رکھی تھی۔تب سے آج تک افسانہ ہیئت اور تکنیک کے کئی تجربوں سے نبرد آزما ہوا مگر قارئین روایتی سکول سے ذہنی طور پر رشتہ نہ توڑ سکے۔اس کی وجہ وہ حقیقت نگاری اور مقصدیت ہے جو قارئین کو عزیز ہے۔ '' ۱۳

نعیم کوثر نے آٹھویں دہائی کے بعد لکھنا شرع کیا۔اس لیے ان کے افسانوں میں موجودہ زمانے کے حادثات اور واقعات جا بجا نظر آتے ہیں۔بقول مبصر:

'' موصوف کے افسانے ہم عصر زندگی کو آئینہ دکھاتے ہیں۔ انہوں نے بھوپال گیس ٹریجڈی پر بھی کہانیاں لکھی ہیں اور بابری مسجد پر بھی۔'' ۱۴

اسّی کی دہائی تک آتے آتے افسانوی ادب میں جدیدیت کا زوال آ چکا تھا، علامتوں اور استعاروں کے بدلے دوبارہ بیانیہ کا استعمال ہونے لگا تھا جس کے سبب قاری افسانے کی طرف مراجعت کرنے لگا تھا۔ نعیم کوثر کے یہاں بھی کلاسیکی افسانوں کی مانند بیانیہ کا بول بالا نظر آتا ہے۔ اتنا ہی نہیں، ان کے افسانوں کے کردار بھی لاجواب ہیں جو قاری کے ذہن پر اپنا ایک مستقل عکس چھوڑ جاتے ہیں۔ اس حوالے سے مبصر کے تاثرات ملاحظہ کیجیے:

'' ان کے افسانوں میں بیانیہ انداز ملتا ہے اور اس بیانیہ میں وہی خوبیاں ملتی ہیں جو کلاسیکی افسانہ نگاروں کے یہاں پائی جاتی ہیں۔ ان کے افسانوں کو پڑھ کر قاری کے ذہن میں واضح اور شفاف مناظر ابھرتے ہیں۔ اور ان کے کردار چاہے وہ مثبت ہوں یا منفی، اپنی چھاپ چھوڑ جاتے ہیں۔'' ۱۵؎

نعیم کوثر کے افسانوں کے موضوعات کے متعلق تبصرہ نگار لکھتے ہیں کہ:

'' نعیم کوثر کو تعلیم کے موضوع سے خاص لگاؤ ہے جو ان کے افسانوں میں زیریں لہر کی طرح چلتی رہتی ہے۔'' ۱۶؎

➤ مٹی کے متوالے (گلزار جاوید) :

راولپنڈی پاکستان سے شائع ہو رہے جریدے 'چہار سو' کے مدیر اعلیٰ گلزار جاوید کا افسانوی مجموعہ 'مٹی کے متوالے' گنگا جمنی کلچر کا آئینہ ہے۔ ان کے افسانوں میں تقسیم ہند کی جھلکیاں بھی ملتی ہیں۔ مبصر نے ان کے افسانے 'شبھ چنتک' کے بارے میں لکھا ہے کہ:

'' (افسانہ 'شبھ چنتک') یہ المیہ گھر سے جدائی کا بھی ہے اور دھرتی سے جدائی کا بھی۔ تقسیم وطن پر کئی کہانیاں لکھی جا چکی ہیں اور یہ کہانی اس موضوع پر صف اول کی کہانیوں میں جگہ پانے کی قابلیت رکھتی ہے۔'' ۱۷؎

اس بارے میں تبصرہ نگار مزید انکشاف کرتے ہیں کہ گلزار کے یہاں حب الوطنی تنگ نظری کی مترادف نہیں ہے بلکہ وہ انسانیت اور عالمی امن کے خواہاں ہیں۔ لکھتے ہیں کہ:

'' گلزار کے ہاں تقسیم ہند کا درد کئی کہانیوں میں نظر آتا ہے وہ اس درد کو نہ تو ہندو اور نہ ہی مسلمان کی عینک سے دیکھتے ہیں بلکہ ایک انسان کی نظر سے دیکھتے ہیں۔'' ۱۸؎

افسانوں میں علاقائی رنگ کسی نہ کسی روپ میں ضرور ملتا ہے۔ اس علاقے کی زبان اور وہاں کے لوگوں کا رہن سہن افسانوں میں خود بخود در آتا ہے۔ اسی طرح جب بھی گاؤں کی بات ہوتی ہے تو ذہن میں کھیت کھلیان گھومنے لگتے ہیں۔ ایسا ہی اثر گلزار جاوید کے افسانوں کو پڑھ کر قاری کے ذہن پر ہوتا ہے۔ مبصر نے مندرجہ ذیل الفاظ میں اس طرف اشارہ کیا ہے:

'' ان کی چند کہانیوں میں گاؤں کا ماحول ملتا ہے اور چونکہ یہ گاؤں پنجاب کے ہیں، کئی جگہوں پر پنجابی زبان کا

کا بھی استعمال کیا گیا ہے۔'' ۱۹؎

➤ ریزہ ریزہ دل (نذیر فتح پوری) :

'ریزہ ریزہ دل' نذیر فتح پوری کے افسانچوں کا مجموعہ ہے۔ گذشتہ چند برسوں سے اس صنف کی جانب افسانہ نگار مائل ہوتے چلے جا رہے ہیں کیونکہ قاری اب طویل کہانیاں پڑھنا پسند نہیں کرتا اور نہ ہی رسالے ان طویل افسانوں کے لیے جگہ نکال پاتے ہیں۔ اس کے علاوہ انٹرنیٹ پر افسانچے کا چلن عام ہوتا جا رہا ہے اور پڑھنے والے بھی مختصر تحریروں کو کمپیوٹر پر پڑھنا پسند کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں دیپک بدکی لکھتے ہیں کہ:

'' منی افسانوں کی دنیا نرالی ہے۔ یوں تو افسانہ خیال اور موضوع کی اکائی اور بیان کے اختصار کے لیے جانا جاتا ہے لیکن منی افسانے میں منظر نگاری اور زمانی و مکانی پھیلاو سے بھی گریز کیا جاتا ہے اور اس طرح چونکانے والی کیفیت پیدا کی جاتی ہے جو قاری کے دل میں نشتر کی طرح چبھ جاتی ہے۔'' ۲۰؎

نذیر فتح پوری نے نہ صرف زندگی کے اتار چڑھاو کو قریب سے دیکھا ہے بلکہ اپنے افسانوں میں انسانی زندگی سے وابستہ دلگداز جذبات کو بھی پیش کیا ہے۔ اس بارے میں مبصر لکھتے ہیں کہ:

'' افسانچہ نگار اکثر و بیشتر زندگی کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے قاری کو ترغیب دیتے ہیں۔ انہوں نے زندگی کو قریب سے دیکھا ہے، برتا ہے اور اس کے جوہر کو پانے کی کوشش کی ہے۔'' ۲۱؎

➤ چھوٹی سی بات (صفیہ صدیقی) :

'چھوٹی سی بات' صفیہ صدیقی کا تحریر کیا ہوا افسانوی مجموعہ ہے۔ ان کے اب تک تین افسانوی مجموعے منظر عام پر آ چکے ہیں۔ حالانکہ صفیہ صدیقی لکھنو میں پیدا ہوئیں مگر شادی کے بعد انہیں اپنے شوہر کے ساتھ انگلستان جانا پڑا۔ اِسی بِنا پر انھوں نے انگریزی ادب کا خوب مطالعہ بھی کیا ہے۔ انھوں نے اپنے افسانوں میں مشرقی عورتوں کے ساتھ ہو رہے سلوک پر روشنی ڈالی ہے اور ان کے ساتھ ہمدردی بھی جتائی ہے۔ اس سلسلے میں دیپک بدکی یوں رقم طراز ہیں:

'' وہ اپنے افسانوں میں مشرقی عورتوں پر ہو رہے ظلم و تشدد، تعلیم سے محرومی اور اقتصادی پسماندگی کی طرف توجہ مبذول کرتی ہیں۔ جہاں ایک طرف وہ عورت کی پاکیزگی اور وفاداری کی خواہاں ہیں وہیں انھیں مردوں کی کثیر الازدواجی رجحان سے گھن آجاتی ہے۔'' ۲۲؎

صفیہ صدیقی نے جہاں ایک طرف مشرقی عورتوں کی زندگی کو پیش کیا ہے وہیں دوسری طرف انھوں نے مغرب کی عورتوں کے ساتھ ان کا موازنہ بھی کیا ہے۔ اس حوالے سے تبصرہ نگار فرماتے ہیں کہ:

'' (ہوم ہیلپ) اس افسانے کا ضمنی پہلو یہ بھی ہے کہ مغربی عورتیں ورزش اور خوراک کے ذریعے اپنے شریر کو ہمیشہ تندرست اور دلکش بنائے رکھتی ہیں جبکہ مشرقی عورتیں حسین ہونے کے باوجود ان ضروریات سے غفلت برتتی ہیں۔ '' ۲۳

➤ لمحے (سالک جمیل براڑ) :

'لمحے' سالک جمیل براڑ کا خوبصورت افسانوی مجموعہ ہے جس میں ستائیس (۲۷) افسانے شامل ہیں۔ چند افسانے منی افسانوں کی طرح مختصر ہیں۔ ان کے افسانے سماجی معنویت سے بھر پور ہیں اور بقول بشیر مالیر کوٹلوی '' وہ اپنی عمر کے مطابق اپنے افسانوں میں کبھی چٹخارے نہیں لیتا، نہ ہی کبھی اپنی رومانی حسرتوں کو لفظی جامہ پہنا کر لطف لیتا نظر آیا''۔ اس مجموعے کے بارے میں مبصر نے اپنی رائے کا اظہار یوں کیا ہے:

'' سالک جمیل کی زبان منجی ہوئی ہوتی ہے اور اغلاط سے پاک وصاف بھی۔ انہوں نے پریم چند، منٹو، کرشن چندر سے کافی اثر لیا ہے۔ اس لیے ان کی کہانیوں میں روایتی انداز کی فراوانی ملتی ہے۔'' ۲۴

تبصرہ نگار نے افسانوں کی خوبیوں کو بیان کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ:

'' غور سے دیکھا جائے تو براڑ صاحب موضوعات کو کبھی بھی دہراتے نہیں۔ بلکہ نئے نئے موضوعات چن کر قاری کے سامنے لے آتے ہیں۔ '' ۲۵

ساتھ ہی تبصرہ نگار نے سالک جمیل براڑ کو، جو افسانہ نگاری کے میدان میں نو وارد ہیں، اپنے افسانے دلچسپ بنانے کے لیے چند مفید مشورے بھی دیے ہیں:

'' ضرورت اس بات کی ہے کہ ہیئت اور ٹریٹمنٹ پر خاص دھیان دیا جائے جس کے لیے انتظار حسین، خالدہ حسن ،منشایاد، اور غیاث احمد گدی وغیرہ کا مطالعہ کرنا بہت ضروری ہے۔'' ۲۶

➤ اندھیرے کا کرب (مجیر احمد آزاد) :

مجیر احمد آزاد بہار سے تعلق رکھتے ہیں اور افسانہ نگاری کے میدان میں حال ہی میں وارد ہو چکے ہیں۔ ان کے یہاں بہار کے ان افسانہ نگاروں کی گونج سنائی دیتی ہے جو پریم چند کی تقلید میں دیہاتی زندگی کو منعکس کرنے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ ان کے فن کے بارے میں دیپک بدکی کی رائے حاضر خدمت ہے:

'' مجیر احمد ادب برائے زندگی میں یقین رکھتے ہیں وہ اپنے گرد و پیش کا باریک بینی سے مشاہدہ کرتے ہیں معاشرے میں ہو رہی بے ضابطگیوں سے انہیں کوفت ہوتی ہے۔ وہ ان لوگوں کے کھوٹے اتار پھینکنے کے لیے ہمیشہ سینہ بہ سپر رہتے ہیں جو سماجی رتبہ حاصل کرنے کے باوجود کور باطن اور گندی ذہنیت کے مالک ہیں۔ '' ۲۷

اس تبصرے میں مبصر نے موضوع کے بارے میں جو باریکیاں ڈھونڈ نکالی ہیں وہ قاری کے لیے محض دلچسپی کا

ذریعہ ہی نہیں بلکہ ایک ایسی دنیا سے روشناس کرواتی ہیں جو اس کے خواب وخیال سے پرے ہو۔ یہ کام تبصرہ نگار نے بڑی خوبی سے کیا ہے تاکہ قاری اُس نئی دنیا کو جاننے کی طرف مائل ہو جائے۔ بدکی نے موصوف کے افسانوں کے بارے میں لکھا ہے کہ:

'' افسانہ نگار عورتوں، خاص کر مسلم فرقے سے تعلق رکھنے والی عورتوں پر ہو رہے ظلم وستم اور ان کو تعلیم سے دور رکھنے کی سازش پر فکر مند رہتے ہیں اور ان موضوعات کو اپنے افسانوں میں سموتے ہیں۔'' ۲۸؎

مجیر احمد کے کرداروں کی گونا گونیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مبصر رقم طراز ہیں کہ:

'' مجیر احمد کے یہاں ایک طرف ستونتی دیوی جیسی ممتا سے بھرپور ماں اور روبیدہ جیسی فرمابردار بیٹی ملتی ہے اور دوسری طرف قمر الدین جیسا جاہل باپ اور اجمل جیسا لائق بیٹا بھی ملتا ہے۔ '' ۲۹؎

➤ شہرِ تخیّل (عرفانہ تزئین شبنم) :

عرفانہ تزئین شبنم تمل ناڈو کی نئی نسائی آواز ہے اور جیسا کہ ان کے افسانوں سے ظاہر ہے وہ روایت سے جڑی ہیں اور ان کے یہاں مثالیت پسند کردار ملتے ہیں۔ اس بارے میں مبصر رقم طراز ہیں کہ:

'' عرفانہ تزئین کے افسانوں میں مثالیت پسندی کی جھلک صاف طور پر دکھائی دیتی ہے۔ ان کے کئی کردار جیسے رزم گاہ کا میجر، شاہ زر کی بیوی ، وہی پرانی بات کی زیبا، یادوں کے جھروکے سے کی مس گل رخ، فریاد یا زیر آب جزیرے کا شوہر اُسی مثالیت پسندی کے عکاس ہیں۔'' ۳۰؎

علی گڑھ سے ادیب کامل کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد عرفانہ تزئین شبنم کو ان کے والد نے ہاتھ میں قلم اٹھانے کے لیے حوصلہ افزائی کی۔ اس بارے میں تبصرے کا اقتباس دیکھیے :

'' عرفانہ تزئین کے افسانے شیریں و بامحاورہ زبان، رومانی منظر نگاری اور غیر معمولی جذبات نگاری کے سبب سیدھے قارئین کے دل میں اتر جاتے ہیں۔'' ۳۱؎

➤ ضمیر اپنا اپنا (اندرا شبنم) :

اندرا شبنم اندو شاعرہ بھی ہیں اور افسانہ نگار بھی۔ مادری زبان سندھی ہونے کے باوجود وہ ہندی اور اردو میں بھی لکھتی ہیں۔ ان کا حالیہ افسانوی مجموعہ 'ضمیر اپنا اپنا' سماجی حالات کا آئینہ بن کر سامنے آتا ہے۔ ان کے افسانوی مجموعے پر تبصرہ نگار فرماتے ہیں کہ:

'' اندرا شبنم کی کہانیاں پڑھتے وقت یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ کہانی اپنے ساتھ لائی ہیں۔ ان کی کہانیوں کے پلاٹ مربوط، کردار آس پاس کی دنیا کے مظلوم لوگ اور مکالمے فطری اور چست ہوتے ہیں۔ البتہ مادری

زبان سندھی ہونے کے سبب ان کی اردو تحریروں میں زبان و بیان کی کوتاہیاں نظر آتی ہیں۔ خیر ایسی کثیر الزبان ادیبہ سے ہر زبان پر کامل قدرت کی توقع رکھنا غلط ہوگا۔ وہ اپنے افسانوں میں قاری کو سوچنے کے لیے مجبور کرتی ہیں۔ ان کے ہاں انفرادی غم بھی ہے اور مجموعی الم بھی۔ '' ۳۲

اندرا شبنم جو کچھ بھی لکھتی ہیں سماج کی بہبودی کے لیے لکھتی ہیں یعنی ان کی تحریروں میں مقصدیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے۔ بقول مبصر:

'' اندرا شبنم کا ہاتھ ہمیشہ اپنے معاشرے کی نبض پر رہتا ہے۔ موجودہ زمانے کی پیچیدگیوں کو انہوں نے کئی کہانیوں کا موضوع بنایا ہے۔ '' ۳۳

➤ ہزاروں غم (ڈاکٹر مشتاق احمد وانی) :

مشتاق احمد وانی ریاست جموں و کشمیر سے تعلق رکھتے ہیں۔ جموں یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کر کے انھوں نے نہ صرف افسانے لکھے بلکہ شاعری، تحقیق اور تنقید میں بھی طبع آزمائی کی۔ افسانوی مجموعہ 'ہزاروں غم' میں کل سولہ (۱۶) افسانے شامل ہیں جن سے حقیقت پسندی کی جھلک دکھائی دیتی ہے جیسا کہ مبصر نے لکھا ہے کہ:

'' مشتاق احمد وانی کے پہلے مجموعے 'ہزاروں غم' میں سولہ افسانے شامل ہیں۔ چونکہ افسانہ نگار حقیقت پسند اسکول سے تعلق رکھتے ہیں، وہ زندگی کے چھوٹے بڑے مسئلوں کو لے کر کہانیوں کے پلاٹ بُنتے ہیں، آس پاس کے ماحول سے کرداروں کا انتخاب کرتے ہیں اور آسان اور رواں زبان کو وسیلۂ اظہار بنا کر براہ راست قارئین سے ترسیل کا پُل تعمیر کرتے ہیں۔ '' ۳۴

ان کے افسانوں کی منظر نگاری کے بارے میں مبصر لکھتے ہیں کہ:

'' منظر نگاری خوب ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ افسانہ نگار کی تحریر پر کرشن چندر کی چھاپ ہے۔ '' ۳۵

ڈاکٹر مشتاق احمد کے افسانوں کے موضوعات کے بارے میں تبصرہ نگار فرماتے ہیں کہ:

'' ان کے اکثر افسانوں میں ان کی اپنی زندگی بکھری پڑی ہے، کہیں غربت کا نوحہ ملتا ہے اور کہیں کٹھور سماج کا جبر کہیں مزدور اور کسانوں کی کسمپرسی ملتی ہے اور کہیں دیہاتی زندگی کی محرومیاں، کہیں پہاڑوں کا رومانس ملتا ہے اور کہیں طبقاتی استحصال۔ '' ۳۶

➤ میٹھا زہر (ڈاکٹر مشتاق احمد وانی) :

ڈاکٹر مشتاق وانی کے افسانوی مجموعے 'میٹھا زہر' میں سماجی حقیقتوں پر روشنی ڈالی گئی ہے حالانکہ ان کے یہاں کبھی کبھی قدامت پرستی اور روایت پسندی بھی نظر آتی ہے۔ ان کے کرداروں کے بارے میں تبصرہ نگار لکھتے ہیں کہ:

'' ڈاکٹر وانی کے کردار ہمارے آس پاس کے ماحول میں چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ کوئی شریف النفس ہے۔

تو کوئی بدمعاش ،کوئی ضمیر کا پابند ہے تو کوئی سفلی جذبات کا قیدی۔ ہر کردار اپنی مخصوص بولی بولتا ہے۔اور اپنی شخصیت کی صحیح ترجمانی کرتا ہے۔'' ۳۷

مبصر نے مشتاق احمد وانی کے افسانوں میں منظر نگاری کی خوبصورتی کا بھی ذکر کیا ہے۔فرماتے ہیں کہ:

'' افسانوں کی دلکش منظر نگاری افسانہ نگار کے حساس ذہن کی دین ہے۔وہ چاہے پہاڑوں ،جنگلوں اور بیابانوں کی عکاسی ہو یا پھر سونا گاچھی کی طوائفوں کی پیکر نگاری۔'' ۳۸

افسانہ نگار کی شخصیت پر روشنی ڈالتے ہوئے تبصرہ نگار تحریر کرتے ہیں کہ:

'' ریاست جموں وکشمیر کے دوافتادہ پسماندہ علاقے ڈوڈہ سے تعلق رکھنے والے دین دار افسانہ نگار نے تجربات حوادث کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا دیا ہے۔زندگی کی اوبڑ کھابڑ راہوں پر چل کر انھوں نے نہ صرف غربت اور افلاس بلکہ ہجرت ،عدم تحفظ ،اور سماجی نابرابری کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اس جدوجہد میں سرخرو ہوگئے۔یہی وجہ ہے کہ موصوف نے ایسے زمانے میں جب جدیدیت کا طوطی بول رہا تھا ،بےفکر ہو کر حقیقت نگاری کو گلے سے لگالیا۔'' ۳۹

➤ باب ناول :

ناول ایک فن ہے جس کے معنی نئے کے ہوتے ہیں۔لہٰذا ناول ان تمام کہانیوں سے نہ صرف الگ بلکہ منفرد صنف ہے۔ناول کی خوبصورتی اس کے پلاٹ ،کردار ،موضوع ،پس منظر اور مکالمہ میں چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ناول کے بارے میں پروفیسر یوسف سرمست فرماتے ہیں:

'' ناول میں ایک مانوس دنیا' یعنی ایسی زندگی جو حقیقی زندگی سے بالکل مشابہ ہو ،پیش کی جاتی ہے۔ان کے کردار پوری فضا ایسی ہوتی جس سے ہم اپنی حقیقی زندگی میں دوچار ہوتے ہیں' یا ہو سکتے ہیں۔اس لیے ناول کی جتنی بھی تعریفیں کی گئی ہیں ،ان سب میں ناول کی اسی خصوصیات کو سامنے رکھا جاتا ہے۔ '' ۴۰

دیپک بدکی کے ناولوں پر تبصروں سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ناول پر جتنے بھی تبصرے لکھے ہیں ان میں ناول کے سبھی اجزائے ترکیبی اور اس کی خصوصیتوں کو مدِنظر رکھ کر تجزیہ کیا ہے جس کے نتیجے میں وہ کہیں کہیں اپنے تبصروں میں تنقیدی پہلوؤں کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں۔چند مثالیں نیچے درج ہیں:

☆ '' مختصراً یہ کہ 'وشواس گھات' میں موجودہ دور کے مشرقی اور مغربی معاشرے کا موازنہ بڑی خوبی سے کیا گیا ہے اور دِشا ہین زندگی کو لاحاصل قرار دیا گیا ہے۔'' (وشواس گھات۔جتیندر بلو) ۴۱

☆ '' ان کے کرداروں کو دیکھ کر پریم چند کے ناولوں کی یاد آتی ہے جو، ماسوائے گئودان کے ،زمینی حقیقت سے کوسوں دور لگتے ہیں۔ نورالحسنین بھی عینیت پسندی اور مثالیت پسندی کے فسوں میں آکر اپنے نکتے کو سچ ثابت کرنے کے لیے جوڑ توڑ کرتے ہیں۔(آہنکار۔نورالحسنین) '' ۴۲

☆ ''ناول نگار نے دو اہم کرداروں کے اتنے لمبے لمبے لکچر ناول میں بھر دیے ہیں کہ ناول خطبے کی صورت اختیار کر چکا ہے۔(تر شول۔محمد ارمان حسین) '' ۴۳

☆ ''ناول نگار نے ناول لکھنے کے بنیادی اصولوں کو جدیدیت کے زیر اثر بڑی حد تک نظر انداز کیا ہے اور یہ تصنیف تجزیاتی ناول کے بجائے تاثراتی سرگذشت (Memoirs) بن کر رہ گئی ہے۔اس کے باوجود تقسیم ملک پر لکھی گئی تصانیف میں یہ ناول نہ صرف ایک گراں قدر اضافہ ہے بلکہ ایک دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ (انیسواں ادھیائے۔نند کشور وکرم)'' ۴۴

➤ انیسواں ادھیائے (نند کشور وکرم) :

تقسیم ملک کے پس منظر میں لکھا گیا ناول 'انیسواں ادھیائے' نند کشور وکرم کی یادوں کا کارواں بن کر سامنے آیا ہے۔اس ناول کے بارے میں تبصرہ نگار لکھتے ہیں کہ:

''ناول نگار نے ہندو اساطیر اور تلمیحات کو معنی خیز انداز میں برتا ہے اور حسب ضرورت وجود کے بارے میں سوالات اٹھائے ہیں یا پھر مضحکہ خیز نظریات اور عقیدوں کے بارے میں اپنے تاثرات قلمبند کیے ہیں۔ '' ۴۵

دیپک بدکی نے نند کشور وکرم کے ناول کے موضوع، چھوٹے بڑے واقعات، پس منظر،اور تکنیک پر اپنی ناقدانہ رائے ظاہر کی ہے تاکہ قاری ناول کی خوبیوں اور خامیوں سے واقف ہو جائے اور اس کا مطالعہ کرنے کے لیے راغب ہو جائے۔وہ ناول کے بارے میں فرماتے ہیں:

''ناول نگار نے پورے ناول میں بیانیہ کا سہارا لیا ہے حالانکہ ان کی تحریر میں جدیدیت کی چھاپ دکھائی دے رہی ہے۔جہاں تک زبان کا سوال ہے، وہ سلیس اور بامحاورہ زبان کو پسند کرتے ہیں اور ترسیل خیالات میں کبھی کوئی جھول نہیں پڑتی۔منظر نگاری بھی خوب دیکھنے کو ملتی ہے البتہ کردار نگاری کو نظر انداز کیا گیا ہے یا شاید اس کی ضرورت بھی نہ تھی کیونکہ ناول ایک ہی کردار کو محور بنا کر اُسی کے گرد گھومتا رہتا ہے۔'' ۴۶

مبصر نے ناول نگار کے مفروضے سے انکار کر کے ناول کو سوانحی سرگذشت قرار دیا ہے:

''ناول نگار نے انیسواں ادھیائے کو ایک تجزیاتی ناول قرار دیا ہے جبکہ میری نظر میں یہ ایک سوانحی سرگزشت (Memoirs) بن کر رہ گئی ہے حالانکہ اس میں قرۃ العین حیدر کی طرز پر شعور کی رو تکنیک استعمال میں لانے کی کوشش کی گئی ہے۔'' ۴۷

➤ وشواس گھات (جتیندر بلّو) :

لندن میں مقیم 'وشواس گھات' کے ناول نگار اپنے اصلی نام جتیندر ردیولا نبہ سے اتنا نہیں جانے جاتے ہیں جتنا قلمی نام جتیندر بلّو کے نام سے جانے جاتے ہیں۔تقسیم وطن اور مسلسل ہجرتوں نے۔پشاور سے ممبئی اور ممبئی سے لندن۔

انھیں زندگی کے تلخ وترش حقیقتوں سے آگاہ کیا ہے اور بقول مبصر یہی ہجرت کا کرب، بے زمینی کا احساس، نسلی امتیاز ، مذہبی بالادستی، اخلاقی قدروں کی ٹوٹ پھوٹ اور معاشرے کی بے راہ روی ان کی نگارشات کا موضوع بن جاتا ہے۔تبصرے کا ایک اقتباس:

''وشواس گھات ایک برہمن وکیل شیو پرشاد پانڈے کے خاندان کی المناک داستاں ہے جو حرص وطمع کی زد میں آکر تنکا تنکا بکھر جاتا ہے۔'' ۴۸

دیپک بدکی اس ناول کے کرداروں کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

'' زیرِنظر ناول کے اکثر وبیشتر کردار ٹھوس اَنا کے مالک ہیں وہ چاہے لالی ہو، ٹھنگنا بدشکل دیوکی ہو یا پھر خودسر اور ضدی نندنی۔'' ۴۹

ناول کے مطالعہ کے بعد تبصرہ نگار اپنا مجموعی تاثر مندرجہ ذیل فقروں میں قلم بند کرتے ہیں:۔

'' مختصراً یہ کہ وشواس گھات میں موجودہ دور کے مشرقی اور مغربی معاشرے کا موازنہ بڑی خوبی سے کیا گیا ہے اور دِشا ہین زندگی کی دوڑ دھوپ کو لا حاصل قرار دیا گیا ہے۔ '' ۵۰

➤ ایک ہزار دوراتیں (صلاح الدین پرویز) :

صلاح الدین پرویز کا ناول 'ایک ہزار دوراتیں' یوں تو عنوان کے حوالے سے 'الف لیلیٰ' کی یاد دلاتا ہے مگر اس میں ہماری تہذیب اور ثقافت کے ارتقائی سفر کی عکاسی کی گئی ہے۔تبصرہ نگار اس ناول کے بارے میں لکھتے ہیں:

'' ان کا ناول ہزار ہا سال پرانی بھارتیہ سبھیتا کی کوکھ سے جنم لیتا ہے ، پل پل روپ بدلتے ہندوستانی کلچر کے گھوارے میں ہلکورے لے لے کر پلتا ہے، بڑھتا ہے اور آخر کار زندگی کی سچائیوں سے قاری کو ہمکنار کرتا ہے۔'' ۵۱

ناول کی کردار نگاری کے بارے میں مبصر یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

'' ان کے کردار ہمارے آس پاس رہتے ہیں، انٹلکچول باتیں کرتے ہیں ، دیسی بدیسی شراب پیتے ہیں، عام انسانوں کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں ، پھر ان کرداروں میں صدیاں سمائی رہتی ہیں۔وہ زماں ومکاں کی قید سے آزاد ہیں اور انسانی رشتوں کو استوار کرنے کے ہمیشہ خواہاں رہتے ہیں۔'' ۵۲

صلاح الدین پرویز ان ادیبوں میں سے ہیں جو ہندی اور اردو کے درمیان پل باندھنے کے خواہاں ہیں۔ان کی تحریروں میں کثرت سے ہندی کے مدھر اور ملائم الفاظ ملتے ہیں۔بقول تبصرہ نگار:

'' جہاں تک صلاح الدین پرویز کی زبان کا تعلق ہے وہ اردو اور ہندی کے ایسے سبھی الفاظ ضابطۂ تحریر میں لاتے ہیں جو مانوس لگتے ہیں۔ اور ہمارے کانوں میں رس گھولتے ہیں۔ مبالغہ نہیں ہوگا اگر میں یہ کہوں کہ صلاح الدین پرویز اردو ادب اور ہندی ساہتیہ کے بیچ ایک اہم پل بنانے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ناول

کے پہلے سے طے شدہ منصبط پلاٹ تو نہیں ہے مگر مسلسل کڑیوں کے بل بوتے پر انجام پذیر ہو جاتا ہے۔ اور اپنا گہرا عکس قاری کے دل و دماغ میں چھوڑ جاتا ہے۔ صلاح الدین کے قلم سے اور بھی کئی عمدہ فکر انگیز ناولوں کی امید ہے۔'' ۵۳؎

➤ آہنکار (نورالحسنین) :

نورالحسنین کا ناول 'آہنکار' ہندوستانی جاگیردارانہ نظام، جس کی روح ابھی بھی اس دیش میں زندہ ہے، کے پس منظر میں لکھا گیا دل کو چھو لینے والا ناول ہے جو حقیقت پسندی سے زیادہ مثالیت پسندی کا آئینہ ہے۔ اس ناول کے پس منظر اور مرکزی خیال (تھیم) کے بارے میں تبصرہ نگار لکھتے ہیں:

☆ '' (پس منظر) زیر نظر ناول کا پس منظر اورنگ آباد کا ایک موضع چمنا راجہ، کنٹر تعلقہ ہے۔'' '' (مرکزی خیال) ناول کا مرکزی خیال عام فہم ہے حق و باطل کی لڑائی، روحانیت اور مادیت کی ٹکر، جہاں آخر کار مثبت طاقتیں جیت جاتی ہیں۔ یہ انجام ناول نگار کی رجائیت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔'' ۵۴؎

دیپک بدکی نے اس ناول کا باریک بینی سے مطالعہ کر کے اس کی منظر نگاری، کرداروں اور مکالموں پر ناقدانہ نظر ڈالی ہے جس کے سبب قاری اس ناول کے جوہر سے روشناس ہو جاتا ہے۔ بقول تبصرہ نگار:

'' ناول میں منظر نگاری اعلیٰ پایہ کی ہے۔ گاؤں کا ماحول ہنر مندی سے پیش کیا گیا ہے۔ مکالمہ بھی اس ماحول کے ساتھ میل کھاتا ہے۔ مقامی بولی کا استعمال برمحل ہے اور کرداروں کا انتخاب بھی بڑی خوبی سے کیا گیا ہے۔ ایک جانب دولت، انسانیت اور ہمدردی کا پیکر کونڈی با، اور علم کے نور سے بہرہ ور دلاس اور اس کی فرنگی بیوی ہیں اور دوسری جانب بھولے بھالے، فرسودہ رسموں میں جکڑے درخشاں مستقبل کی آس لگائے شنکرا اور اس کی بیوی لاجونتی ہیں جو زندگی کی خوشیوں کو تیاگ کر اپنے بچے کے لیے روشن مستقبل خریدنا چاہتے ہیں۔ ناول میں البتہ سمپت راؤ اور کونڈی با کی آپسی مسابقت اور رنجشیں کسی منطق کی تابع نہیں لگتی جس کے سبب ناول میں میلو ڈرامائی تاثر پیدا ہو جاتا ہے۔ ان کرداروں کو دیکھ کر پریم چند کے ناولوں کی یاد آتی ہے جو، ماسوائے گئودان کے، زمینی حقیقت سے کوسوں دور لگتے ہیں۔'' ۵۵؎

➤ ترشول (محمد ارمان حسین) :

فرقہ پرستی موجودہ زمانے کا بہت بڑا چیلنج ہے۔ ہمارے ملک میں فرقہ پرستی کی وباء روز بروز پھیلتی چلی جا رہی ہے۔ محمد ارمان حسین نے اسی موضوع پر ناول 'ترشول' تحریر کیا ہے جس کا عنوان ہی فرقہ پرستی کا علامیہ بن کر سامنے آتا ہے۔ اس ناول پر مبصرا اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں:

'' ناول کی کہانی مختصراً یہ ہے کہ ہندو کٹر پرست جماعت (جو بالواسطہ بی جے پی کی طرف اشارہ کرتا ہے)

اپنے ہندوتوا ایجنڈا کو عمل میں لانے کے لیے ہندوؤں کے ذہنوں میں زہر بھر دیتی ہے، خفیہ طور پر جگہ جگہ خاص کر مسلم اکثریت والے علاقوں میں جلسے کرواتی ہے اور مسلمانوں کو خوف زدہ کرنے اور نیست و نابود کرنے کی سازشیں کرتی ہے۔'' ۵۶ؔ

اس ناول کو لے کر دیپک بدکی نے اس میں پوشیدہ نکتوں کا انکشاف کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی ہے۔ مثلاً ۲۰۰۲ء میں ہوئے گجرات میں فسادات کا ذکر بالواسطہ طور پر ناول میں آ چکا ہے۔ اس حوالے سے تبصرہ نگار لکھتے ہیں:

'' رحمت علی کے بدلے ناول نگار نے لفظ 'میں' استعمال کیا ہے حالانکہ ناول واحد متکلم کے ذریعے بیان نہیں ہوتی۔ لگتا ہے ناول نگار اپنے آپ کو رحمت علی کے کردار سے الگ نہیں کر پایا اُسی طرح اشوک ترپاٹھی گجرات کے ایک گاؤں کا کسان ہے، شاید گجرات کا ذکر اس لیے آیا ہے کہ وہاں اس وقت بی جے پی کا راج ہے اور گودھرا کے بعد رونما ہوئے حالات میں حکومت کا ہاتھ تھا۔ '' ۵۷ؔ

الغرض بدکی نے ناول میں بیان ہوئے مقصد اور پیغام کو بڑے ہی خوبصورت اور دلکش انداز میں قاری تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

'' ناول کا مقصدی پہلو اُسے امتیاز بخشتا ہے۔ اس مقصدی پہلو میں محمد ارمان حسین نذیر احمد اور عبدالحلیم شرر کے نقش قدم پر گامزن ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ناول نگار اس ناول کے ذریعے جو درس دینا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہندو اور مسلمان آپسی بھائی چارے سے ہندوستان کو نئی منزلوں سے آشنا کرا سکتے ہیں اور اس منصب میں دورائے نہیں ہوسکتی ہے۔ وہ ایک نئی صبح کے منتظر ہیں جس میں گاندھی اور نہرو کے آدرشوں کو عملی جامہ پہنایا جائے گا۔ '' ۵۸ؔ

➤ مہربان جن (وکیل نجیب) :

وکیل نجیب ادب اطفال کے جانے پہچانے نام ہیں۔ انھوں نے بچوں کے لیے ۱۱۳ افسانوی مجموعے اور ۱۴ ناول لکھ کر پہلے ہی اپنا لوہا منوایا ہے۔ دیپک بدکی نے اس ناول پر تبصرہ لکھ کر ان کی ایک اور تحریر کو قاری تک پہنچانے کا کام کیا ہے۔ ناول کے بارے میں مبصر لکھتے ہیں کہ:

'' ناول میں ایک بدصورت مگر ہونہار بچے اسلم کی زندگی کا سفر پیش کیا گیا ہے۔'' ۵۹ؔ

تبصرہ نگار نے اس ناول کی خوبیوں کو اتنے دلکش انداز میں پیش کیا ہے کہ قاری خود بخود گرفت میں آ جاتا ہے اور ناول پڑھنے کی طرف راغب ہو جاتا ہے۔ ایک جگہ دیپک بدکی لکھتے ہیں کہ:

'' اس ناول کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ زبان آسان اور رواں ہے، انداز بیان میں شگفتگی ہے اور پورے

ناول میں ڈرامائی کیفیت اور تجسس برقرار رہتا ہے جو ادب اطفال کے لیے بہت ہی ضروری ہے۔ معرب و مفرس الفاظ سے ناول نگار نے پوری طرح سے گریز کیا ہے۔ مکالمے بھی جاندار ہیں اور کرداروں کے عین مطابق۔ ایک اور بات یہ ہے کہ 'جن' منفی کے بجائے مثبت کردار ادا کرتا ہے جو عام روش سے ہٹ کر ہے۔'' ۶۰

◄ باب متفرقات نثر :

نثر کی تخلیقات جو افسانہ نگاری یا ناول کے زمرے میں نہیں آتی ہیں، ان پر جو تبصرے دیپک بدکی نے تحریر کیے ہیں وہ سب اس باب میں شامل کیے گئے ہیں۔ چند اقتباسات بطور نمونہ:

☆ '' براہِ راست' میں شامل مکالموں کو غور سے پڑھنے سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ گلزار جاوید نے ادیبوں کی شخصیت کو کھنگالنے، ٹٹولنے اور پرکھنے کے لیے سبھی حربے استعمال کیے ہیں تا کہ ان کے نرم گوشوں کو منظر عام پر لایا جا سکے اور قارئین کو ادیب کا من ٹٹولنے میں مدد مل سکے۔'' ۶۱

☆ '' زیر نظر کتاب کا مطالعہ کرنے سے نہ صرف ادیبوں کی شخصیات کا علم ہوتا ہے بلکہ ان کے روزمرہ، ان کی محبتوں اور نفرتوں، ان کی کجرویوں اور آپسی حریفانہ رقابتوں کے بارے میں بھی جانکاری ہوتی ہے۔ ۶۲

◄ بند کمرے کی کھڑکی (نور شاہ) :

'بند کمرے کی کھڑکی' کشمیر کے ہردلعزیز رومانی افسانہ نگار نور شاہ کی ڈائری کے اوراق ہیں جن میں ان کی یادیں دفن ہیں۔ نور شاہ ایک ادیب ہی نہیں ہیں بلکہ اپنے میں ایک مکتب ہیں جو گذشتہ پانچ دہائیوں سے لکھ رہے ہیں۔ اس دوران انھوں نے زندگی کے گرم و سرد کو جھیلا ہے اور نہ صرف بہت سارے قلمکاروں اور فنکاروں سے ملاقات کی ہے بلکہ رومانی، حقیقت پسند، ترقی پسند، جدید اور مابعد جدید تحریکیں دیکھی ہیں مگر ان کا قلم ان سب سے بے فکر اپنی ہی دھن میں چلتا رہا۔ دیپک بدکی اس تخلیق کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

'' یہ ڈائری لکھ کر نور شاہ نے اپنے ذہن کے اس بند کمرے کی کھڑکی کھول دی ہے جس میں بے شمار یادیں محفوظ ہیں۔ اپنی ڈائری میں فاضل مصنف زیادہ تر ادب، ادیبوں اور ادبی تحریکوں کی باتیں کرتے ہیں۔ حالانکہ انہوں نے سیاسی اتار چڑھاؤ کا بھی ضمناً کہیں کہیں ذکر کیا ہے مگر عام طور پر وہ سیاسی تنازعات اور تفرقات سے دور ہی رہے ہیں۔'' ۶۳

نور شاہ کی حساسیت پر تبصرہ نگار اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں:

'' انہیں ایک طرف کشمیر کے حالات پر رونا آتا ہے اور دوسری طرف گجرات کے فسادات پر۔ کشتواڑ اور بھدرواہ کے دورے پر جب وہ پہلے جیسے خوشنما حالات نہیں دیکھ پاتے ہیں تو اپنے باطن کو کریدنے کی کوشش کرتے ہیں۔'' ۶۴

جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا گیا ہے نور شاہ نے قلم کاروں کا ایک کارواں دیکھا ہے جن میں کشمیری نژاد اردو اور

میں لکھنے والے دونوں شامل ہیں۔اس حوالے سے مبصر لکھتے ہیں کہ:

'' کشمیری زبان، کلچر اور کشمیری ادیبوں پر بھی مصنف نے اپنے بے لاگ خیالات قلمبند کیے ہیں۔'' ۶۵ ؎

➤ آٹھ سفر نامے (قاضی مشتاق احمد) :

گذشتہ چند سالوں میں اردو ادب میں کئی سفر نامے لکھے گئے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اب اردو قلم کار دنیا کے مختلف ملکوں کا سفر کرنے لگے ہیں اور اپنی آنکھیں کھلی رکھ کر وہ اپنے سفر کے بارے میں اور ان ممالک کے بارے میں،جن کی وہ سیر کرتے ہیں،اپنے تاثرات لکھنے لگے ہیں۔دیپک بدکی نے مشہور افسانہ نگار و کالم نگار قاضی مشتاق احمد کی تصنیف 'آٹھ سفر نامے' پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ:

'' ان سفر ناموں کی زبان اور انداز بیان اتنا شگفتہ اور شستہ ہے کہ پڑھنے والوں کے سامنے منظر جی اٹھتے ہیں۔ مصنف نے نہ صرف یہ کہ جو دیکھا وہ قلم کے حوالے کر دیا بلکہ اپنے علم اور عمیق مطالعے کی بنا پر ان مقامات کی تاریخی سیاسی اور سماجی پس منظر کو بھی پیش کیا ہے۔ان کا مشاہدہ بہت ہی دقیق ہے۔ وہ ان مقامات کے حوالے سے وہاں کے لوگوں کے رہن سہن،نظام حکومت ،کرنسی ،تواریخی مقامات ،اہم سیاحتی مراکز، میوزیموں اور نائٹ کلبوں،آرٹ آرکیٹکچر ،کھان پان،طریقہ طباخی اور مصالحہ جات نیز زندگی کے دوسرے پہلوؤں پر بھی بھرپور روشنی ڈالتے ہیں۔'' ۶۶ ؎

سفر نامے کا ایک اور اہم پہلو سفر کے دوران پیش آئے اچھے اور برے واقعات کا بیان بھی ہے جس سے قاری محظوظ ہوسکتا ہے۔اس بارے میں مبصر ان آٹھ سفر ناموں کے بارے میں لکھتے ہیں:

'' یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اس سفر ناموں کے مجموعہ کو جگہ جگہ کے قصے کہانیوں،پیش آئی واردات اور لطیفوں سے مزین کیا ہے جیسے کراچی ایئر پورٹ پر سوئس ائیر جہاز کا خراب ہونا یا ماریشس میں سمندری طوفان آنا وغیرہ۔ غیر ملکی چکا چوند دیکھنے کے باوجود قاضی مشتاق احمد اپنے دیش کی تہذیب اور تمدن کو نہیں بھولتے۔ انہیں اس بات پر فخر ہے کہ دلی بقول امیر خسرو سمرقند بغداد اور بخارا سے بھی زیادہ خوبصورت ہے اور ہندوستانی عورتوں کے رنگ و حسن کا دنیا میں کہیں کوئی مقابلہ نہیں۔ وہ ہالینڈ میں ہم جنسی شادی کے رواج کا بھی ذکر کرتے ہیں اور موجودہ معاشرے میں انسانوں سے زیادہ کتوں بلیوں کو فوقیت دیے جانے پر بھی روشنی ڈالتے ہیں۔'' ۶۷ ؎

قاضی مشتاق احمد کے سفر ناموں کی جو بات مبصر کو اچھی لگی وہ یہ کہ سفر نامہ نگار نے جن مقامات کی سیر کی وہاں کے فن کاروں کو فراموش نہیں کیا بلکہ ان کا تذکرہ بھی اپنے سفر ناموں میں کیا۔تبصرے کا اقتباس:

'' مصنف نے مختلف مقامات کے مشہور آرٹسٹوں اور فن کاروں جیسے راجہ روی، مائیکل انجیلو،ایم ایف حسین

وغیرہ کا بھی ذکر کیا ہے۔'' ۶۸؎

بہر حال تبصرہ نگار سفر نامے میں در آئی غلطیوں کا ذکر کرنا بھی نہیں بھولے ہیں مثلاً ہماچل کے برفانی علاقوں میں جو جانور ملتے ہیں انہیں 'یان' نہیں 'یاک' کہتے ہیں وغیرہ۔

➤ براہ راست (گلزار جاوید) :

راولپنڈی پاکستان سے شائع ہو رہے رسالے 'چہار سُو' کے لیے اس کے مدیر گلزار جاوید نے جن ادبی اور غیر ادبی شخصیات کے انٹرویو لیے ہیں ان کو جاوید صاحب نے کتابی شکل دے کر 'براہ راست' کے عنوان سے چھپوایا ہے اور اس طرح ان اشخاص سے ہوئی گفتگو کو آئندہ نسل کے لیے محفوظ کر دیا ہے۔ ان مکالموں کے بارے میں تبصرہ نگار لکھتے ہیں:

> '' براہ راست میں شامل مکالموں کو غور سے پڑھنے سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ گلزار جاوید نے ادیبوں کی شخصیت کو کھنگالنے، ٹٹولنے اور پرکھنے کے لیے سبھی حربے استعمال کیے ہیں تا کہ ان کے نرم گوشوں کو منظر عام پر لایا جا سکے اور قارئین کو ادیب کا من ٹٹولنے میں مدد مل سکے۔ انہوں نے جس بے باکی سے بے لاگ لپیٹ سوالات کیے ہیں اکثر و بیشتر ادیبوں نے اسی بے خوفی اور جرأت کے ساتھ جوابات بھی دیے۔ اس لیے سیاسی، سماجی، اقتصادی اور اخلاقی پہلوؤں پر بھی ان ادیبوں کا نقطۂ نظر واضح ہو چکا ہے۔ کہیں قدما و ہم عصر ادیبوں کے بارے میں ان کی رائے قلمبند ہو چکی ہے۔'' ۶۹؎

➤ خوش کلامیاں قلم کاروں کی (کے ایل نارنگ ساقی) :

'خوش کلامیاں قلم کاروں کی' ادبی اور ادیبوں سے جڑے لطیفوں کا مجموعہ ہے جو کے ایل نارنگ ساقی نے مرتب کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام نارمل ادبی نگارشات سے ہٹ کر ہے مگر اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ ان ادیبوں کی بذلہ سنجی اور گزراوقات کا درپن ہے۔ اس کتاب کے بارے میں تبصرہ نگار یوں رقم طراز ہیں:

> '' انہوں نے لطیفے کی خصوصیات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اٹھارویں صدی کے اوائل میں فحش گوئی، تضحیک، تلخی، تمسخر اور طنز سے شروع ہو کر اردو طنز و مزاح کے مختلف مدارج طے کر کے آج کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ زیر نظر کتاب کا مطالعہ کرنے سے نہ صرف ادیبوں کی شخصیات کا علم ہوتا ہے بلکہ ان کی روزمرہ، ان کی محبتوں اور نفرتوں، ان کی کجرویوں اور آپسی حریفانہ رقابتوں کے بارے میں بھی جانکاری ہوتی ہے۔'' ۷۰؎

➤ باب شعری مجموعے :

'باب شعری مجموعے' میں کل دس (۱۰) شعری مجموعوں پر کیے گئے تبصرے شامل ہیں۔ چند اہم اقتباسات:

☆ '' جدیدیت کے دور کے اس شاعر نے استعارات، تشبیہات اور تلمیحات کو بڑی فنکاری سے استعمال کیا ہے۔ آنسو، پانی سمندر، دشت، ہوا، دھوپ، وغیرہ کو انہوں نے نئے استعاراتی معنی عطا کئے ہیں۔ ''(رمیش تنہا؛ تیسرا دریا) اے

☆ '' سیدہ نسرین نقاش کے ماہیوں میں عشق ہے، محبت ہے، رسوائی ہے، انتظار ہے، وصل ہے۔ وہ حسن و جمال کی منظر نگاری بھی کرتی ہیں اور پیا کی آگ میں جل رہے دلوں کی جذبات نگاری بھی۔'' ۲ے

☆ '' طہور منصوری نگاہ کی ہر رباعی اتنی معنی خیز ہے کہ مجھے یہ مشکل درپیش آئی کہ مجموعے میں سے کون سی رباعی نمونے کے طور پر پیش کروں اور کون سی نہیں۔ بصیرت اور بصارت دونوں سے مالا مال نگاہ زندگی کی سچائیوں کو سلیس اور رواں زبان میں پیش کرتے ہیں۔ ان کے یہاں رجائیت بھی ملتی ہے اور حقانیت بھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ فراق کے بعد اب رباعیات کے میدان میں نگاہ سے امید لگائی جاسکتی ہے۔'' ۳ے

➤ بادباں سفینوں کے (رفیق شاہین) :

'بادباں سفینوں کے' معروف شاعر، افسانہ نگار، ترجمہ نگار اور محقق رفیق شاہین کا غزلوں کا مجموعہ ہے جس میں مختلف موضوعات اور مختلف اوزان برتے گئے ہیں۔ بقول فراز حامدی ''خیال کی رنگینی، لہجے کی شیرینی اور اسلوب کی چاشنی سے ان کی غزلوں میں غنائیت کی مسحور کن کیفیت پیدا ہوگئی ہے۔ ان کے مجموعے پر تبصرہ کرتے ہوئے دیپک بدکی لکھتے ہیں کہ:

'' عشق و محبت رفیق شاہین کی شاعری کا غالب موضوع رہا ہے۔ ان کی شاعری میں ہجر کی ناکامیاں بھی ہیں اور وصل کی گرمیاں بھی۔ انہیں وادیٔ کشمیر سے بے حد لگاؤ ہے اور وہاں کی یادوں کو ابھی بھی سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔'' ۴ے

یہی وجہ ہے کہ انھوں نے کشمیر کی دہشت گردی اور بے قصور لوگوں پر ہو رہے ظلم و ستم کو اپنے اشعار میں ڈھالا ہے۔ تبصرہ نگار نے نمونے کے طور پر چند اشعار نقل کیے ہیں جنھیں یہاں پر دوبارہ نقل کیا جاتا ہے:

'' ؎ نفرت کی آگ اگلتی ہواؤں کے قہر سے — گھر جتنے بھی تھے شہر میں شمشان بن گئے
؎ شیشے کا جو گھر ٹوٹا وہ آپ کا ہے — آپ نے جو پتھر برسائے میرے ہیں
؎ جتنے خنجر ہوا میں لپکے آپ کے تھے — جتنے زخم جگر میں آئے میرے ہیں
؎ اور کتنے قتل کروائیں گے انسان بے ضمیر — بیج نفرت کے دلوں میں رات دن بوئے ہوئے'' ۵ے

➤ سمندر سوچتا ہے (رئیس الدین رئیس) :

رئیس الدین رئیس کے شعری مجموعے 'سمندر سوچتا ہے' میں بقول تبصرہ نگار ایک طرف عشق و محبت، ہجر و وصال،

یادیں اور خواب جیسے موضوعات کی فراوانی ہے تو دوسری طرف خون پسینے، دن رات کی محنت اور روزی روٹی کی تکلیفوں کو بڑی خوبصورتی سے برتا گیا ہے۔مبصر نے اپنے تبصرے میں اس مجموعے سے کچھ اشعار چنے ہیں جن میں سے چند منتخب اشعار کی نقل یہاں پر درج ہے:

''ؔ (عشق و محبت) جو دھول آپ کے قدموں سے اڑ کے آئی ہے ہم اس کو جسم پہ پوشاک کر کے دیکھتے ہیں
ؔ (انتظار) اس سے پہلے کہ بجھے کوئی چراغ منزل اک چراغ اور سر راہ جلائے رکھنا
ؔ (ہجر و وصال) مسکرا کر مرے اشعار پہ لب تو رکھ دے ایک لمحہ مری ہستی میں طرب تو رکھ دے
ؔ (یادیں) کسی کی یادوں نے یہ تبدیل کیا ہے موسم برف کی رُت میں دہکنے لگی اندر آتش '' ۷۶ؔ

رئیس الدین رئیس کے شاعری ہر کیے گئے تبصرے کا ایک اقتباس:

'' زلفِ جاناں کے سایے سے نکل کر جب رئیس الدین غمِ دوراں کا حساب کرنے لگتے ہیں تو ان کا لہجہ بھی بدل جاتا ہے۔ وہ شہروں کی کثافت، بے ضابطگی ،عیاری ،بناوٹی زندگی،ہوس پروری،تنہائی،قتل و غارت،دہشت گردی اور اس سے جڑی ہجرتوں کو اپنا موضوع بناتے ہیں۔ ۷۷ؔ

➤ شہر کی فصیلوں سے (نور منیری) :

'شہر کی فصیلوں سے' نور منیری کا شعری مجموعہ ہے جس میں غم ذات کے علاوہ غم دوراں بھی نظر آتا ہے۔نور منیری کو موجودہ دور کی مدنی تہذیب راس نہیں آتی ہے بلکہ وہ شہر میں رہ کر بھی اپنے گاؤں کو یاد کرتے ہیں۔نمونۂ کلام:

'' ؔ شہر کے ہر موڑ پرآواز کے جنگل ملے ہم کو اپنے گانو ہی کی خاموشی اچھی لگی
ؔ یقیناً لوٹ کر میں جب بھی اپنے گاؤں آؤں گا تو اپنے ساتھ یادوں کے اجالے لے کے آؤں گا '' ۷۸ؔ

بقول مبصر ساؔحر لدھیانوی کی طرز پر نور منیری نے بھی ایک شعر میں تاج محل بنانے والے لوگوں کا درد بیان کیا ہے کہ:

ؔ بنا کے ایک حسین و جمیل تاج محل کمال شہر میں آ کر، یہ بے گھروں نے کیا ۷۹ؔ

➤ تیسرا دریا (رمیش تنہا) :

رمیش تنؔہا کے شعری مجموعے 'تیسرا دریا' کے بارے میں تبصرہ نگار لکھتے ہیں کہ:

'' زیر نظر مجموعے میں جہاں انہوں نے غزل کو پہلا دریا مان لیا ہے، وہیں دوسرے دریا کے تحت انمول رباعیوں کی خصوصیات پر بھی روشنی ڈالی ہے حتیٰ کہ رباعیوں میں مستعمل بحروں کو بھی درج کیا ہے۔اس کے ساتھ ہی ترائیلے کی صنف، جو فرانسیسی ادب سے مستعار لی گئی ہے، پر بھی بحث کی ہے۔ '' ۸۰ؔ

تبصرہ نگار کو رمیش تنؔہا کی رباعیوں میں پختگی اور معنی آفرینی کا احساس ہوا ہے۔ان کی رباعیوں میں موضوعات کا

تنوع بھی نظر آتا ہے۔ چندر باعیاں جن کا انتخاب مبصر نے کیا ہے:

''(انفرادیت) ؎ اسلوب جو خاص اپنا ہو پیدا کرو دل میں ہے کاغذ پہ ہویدا تو کرو
توقیرِ تشخص کی بھی بڑھ جائے گی اوروں کو اپنے فن کا شیدا تو کرو

(ہجروصال) ؎ سینے میں کوئی کرب سا بو جاتا ہے آتا ہے پلکوں کو بھگو جاتا ہے
گر ساتھ بھی رہتا ہے تو سپنا بن کر کھلتے ہی مگر آنکھ وہ کھو جاتا ہے '' ۸۱؎

➤ روحیں چناب کی (سیدہ نسرین نقاش) :

'روحیں چناب کی' کشمیری شاعرہ سیدہ نسرین نقاش کے ماہیوں کا مجموعہ ہے جن کے بارے میں تبصرہ نگار یوں رقم طراز ہیں:

'' سیدہ نسرین نقاش کے ماہیوں میں عشق ہے، محبت ہے، رسوائی ہے، انتظار ہے، وصل ہے۔ وہ حسن و جمال کی منظر نگاری بھی کرتی ہیں اور پیار کی آگ میں جل رہے دلوں کی جذبات نگاری بھی۔ '' ۸۲؎

جس طرح نثری اصناف سخن میں جنسی موضوعات کا استعمال عام ہو گیا ہے اُسی طرح اب شاعری میں بھی اس موضوع پر اکثر طبع آزمائی کی جاتی ہے۔ دیپک بدکی نے سیدہ نسرین نقاش کے ماہیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے اس موضوع کی نشاندہی کی ہے۔ اس حوالے سے چند اشعار بطور نمونہ:

'' ؎ جو چاہے وہ شیر کرے/ میری چلے نہ مجھے/ جب چاہے وہ زیر کرے
؎ جب مجھ پہ وہ جھلکتا ہے/ ایسا مسافر ہے/ تھکتا ہے نہ رکتا ہے '' ۸۳؎

➤ سوز دل (محمد خورشید اکرم سوز) :

محمد خورشید اکرم سوزؔ کے شعری مجموعے 'سوز دل' میں جہاں ذات کا غم ہے وہیں کائنات کا غم بھی ہے۔ اس مجموعے کے بارے میں تبصرہ نگار لکھتے ہیں کہ:

'' محمد خورشید اکرم سوز جس معاشرے میں رہتے ہیں اس سے خود کو بچانا بہت مشکل ہے۔ افراتفری کا عالم، عدم تحفظ، گندی سیاست، دہشت گردی اور ظلم وستم ہر طرف دیکھنے کو ملتا ہے۔ ایک طرف امریکہ عراق پر قابض ہو کر امن کا ڈھول پیٹتا ہے اور دوسری طرف جمہوریت میں نااہل لوگ ہنرمندوں پر سبقت لے جا رہے ہیں۔ گاؤں خالی ہو رہے ہیں اور شہر آباد ہو رہے ہیں جہاں کسی کے پاس فرصت نہیں، ہمدردی نہیں اور نہ ہی صبر و شکیب ہے۔ '' ۸۴؎

➤ گلابوں کے چراغ (طہور منصوری نگاہؔ) :

طہور منصوری نگاؔہ نے صنف رباعی کو اپنے اظہار کا وسیلہ بنایا ہے اور ان کا تازہ رباعیوں کا مجموعہ ' گلابوں کے چراغ ' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ ان کے فن پر تبصرہ کرتے ہوئے دیپک بدکی لکھتے ہیں کہ:

" نگاؔہ کی رباعیوں میں عصری رجحانات کے زیر اثر بوقلمونیت خاص طور سے نظر آتی ہے۔ انہوں نے اپنی رباعیات میں ذات کا ذکر بھی کیا ہے اور اس معاشرے کا بھی جس میں وہ جی رہے ہیں۔" ۸۵

ایک رباعی بطور نمونہ پیش ہے:

" ؎ ادھین چنتن کون کرے گا اتنا؟ یہ پاگل پن ! کون کرے گا اتنا؟
جب جھاگ ہی بک جاتا ہے امرت کے مول! ساگر منتھن ، کون کرے گا اتنا؟ " ۸۶

➤ مصباح (جمال اویسی) :

' مصباح ' جمال اویسی کی رباعیات کا مجموعہ ہے جس کے بارے میں تبصرہ نگار فرماتے ہیں کہ:

" جمال اویسی کی رباعیات میں ایک جانب تصوف اور اس سے جڑی اصطلاحوں جیسے ' گنبد نیلوفری '، ' لاہوت ' وغیرہ کا تصرف ملتا ہے اور دوسری جانب سیاسی رہبروں کی گمراہی کا ذکر بھی ملتا ہے۔ " ۸۷

ایک رباعی بطور نمونہ حاضر ہے:

" ؎ اپنے لیے کس درجہ پریشان ہوں میں انسان ہوں انسان سے حیران ہوں میں
اخلاق کے پیمانہ سے مت تول مجھے وحشی کا سگا بھائی ہوں حیوان ہوں میں " ۸۸

➤ سحر ہونے تک (سید احمد سحرؔ) :

سید احمد سحرؔ کا شعری مجموعہ ' سحر ہونے تک ' میں نہ صرف ان کی شاعری شامل ہے بلکہ سحرؔ پر قلم بند کیے گئے مضامین بھی شامل ہیں۔ اس مجموعے کے بارے میں تبصرہ نگار لکھتے ہیں:

" مذکورہ مجموعے میں ناوک حمزہ پوری، ڈاکٹر محبوب راہی رفیق شاہین، اور ابراہیم اشک کے سحر کی شخصیت اور فن پر لکھے ہوئے مضامین بھی شامل ہیں جن میں سید احمد سحرؔ کی پرسنلٹی کی مختلف جہتوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔" ۸۹

بقول تبصرہ نگار سحرؔ کے اشعار میں کہیں کہیں طنز بھی نظر آتا ہے۔ حیات، پیار، نفرت، اقدار، جہدِ زندگی، تعمیر و تخریب وغیرہ پر انھوں نے کئی اچھوتے اشعار کہے ہیں۔ چند اشعار کا ملاحظہ کیجیے:

" (حیات) ؎ حیات اپنی ہے مثل حباب، یہ بھی سچ ہیں نت نئے مگر آنکھوں میں خواب، یہ بھی سچ
(سچائی) ؎ سچ کی تاریخ بدل دینے سے مٹتا ہے کبھی چپے چپے پہ کوئی نقشِ کہن بولتا ہے
(تعمیر) ؎ بہت آساں ہے بام و در بنانا بہت دشوار لیکن گھر بنانا " ۹۰

ماں (مناظر عاشق ہرگانوی وشاہد نعیم) :

مناظر عاشق ہرگانوی اور شاہد نعیم نے 'ماں' کے عنوان سے ایک خوبصورت شعری مجموعہ ترتیب دیا ہے جس میں مختلف شاعروں کی 'ماں' کے عنوان سے غزلیں، نظمیں وغیرہ شامل ہیں۔ اس تالیف کے بارے میں تبصرہ نگار فرماتے ہیں کہ:

'' اس میں ممتا بھی ہے، تقدس بھی ہے اور شفقت بھی ہے۔ مناظر عاشق ہرگانوی اور شاہد نعیم نے اس موضوع پر لکھی گئی غزلوں، نظموں اور دیگر اصنافِ سخن کو اکٹھے کر کے کتابی صورت میں قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔ مرتبین کا انتخاب قابلِ ستائش ہے کیونکہ اس میں اردو کے قدیم شعراء بھی شامل ہیں اور جدید شعراء بھی۔'' ۹۱

باب تنقید و تحقیق :

یہ اس کتاب کا آخری باب ضرور ہے مگر اہمیت میں دوسرے ابواب سے کم نہیں۔ اس باب کے تحت دیپک بدکی نے تنقید و تحقیق کی کتابوں کا الگ الگ جائزہ لیا ہے اور ہر کتاب پر سیر حاصل تبصرہ رقم کیا ہے۔ باب میں آٹھ (۸) کتابوں کے تبصرے شامل ہیں۔

اردو ادب کے ہمہ جہت قلمکار۔ ڈاکٹر فراز حامدی (رفیق شاہین) :

رفیق شاہین کی کتاب 'اردو ادب کے ہمہ جہت قلمکار۔ ڈاکٹر فراز حامدی' موصوف کی حیات اور فن پر مفصل روشنی ڈالتی ہے۔ اس کتاب میں رفیق شاہین نے ان سارے پہلوؤں کو سمو لیا ہے جن سے فراز حامدی کی شخصیت کے پہلو اور ان کے کلام میں پائی جانے والی ندرت نمایاں طور پر سامنے آتی ہے۔ اس کتاب پر دیپک بدکی نے ناقدانہ رائے پیش کرتے ہوئے لکھا ہے:

'' فراز حامدی چنانچہ خود کسان ہیں اس لیے ان کے گیتوں میں ہندوستان کے گاؤں کی منظر کشی اکثر ملتی ہے۔ کھیت کھلیان، ندی، نالے، ساون کے جھولے، پنگھٹ اور چوپالیں سب کچھ ان کی شاعری میں ملتا ہے انہوں نے برہا کی ماری راجستھانی چڑیا 'کُرجاں' کو اپنے گیتوں اور دوسرے اصناف سخن میں خاص طور سے برتا ہے۔ ان کے گیت جذبۂ عشق، حب الوطنی اور قومی یکجہتی سے معمور ہیں۔'' ۹۲

ابراہیم اشک۔ نئے عہد کے گیت کار (ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی) :

ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی نے 'ابراہیم اشک، نئے عہد کے گیت کار' کے نام سے جو کتاب شائع کی ہے اس میں شاعر، افسانہ نگار، نقاد اور فلمی گیت کار ابراہیم اشک کی حیات اور فن پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ دیپک بدکی نے کتاب

تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''اردو ادب میں ابراہیم اشک کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ وہ صرف اچھے شاعر ہی نہیں ہیں بلکہ اچھے نثر نگار بھی ہیں۔ ان کے گیتوں کی گونج برسوں سے سارے ملک میں سنائی دے رہی ہے۔ فلموں نے تو ان گیتوں کی مقبولیت اور بھی آسان کر دی ہے۔ نامور شاعر، تنقید نگار اور مرتب ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی ان کے گیتوں کے حوالے سے اردو کے مشہور و معروف قلمکاروں کے تاثرات اکٹھا کر کے مذکورہ کتاب میں شامل کیے ہیں جس کے باعث ابراہیم اشک کی شخصیت (بحیثیت گیت کار) پر پوری طرح سے روشنی پڑتی ہے۔'' ۹۳

➤ سیفی سرونجی۔ شخصیت اور فن (محمد توفیق خان) :

سہ ماہی 'انتساب' سرونج، بھوپال کے مدیر ڈاکٹر سیفی سرونجی کی حیات اور فن پر محمد توفیق خان نے 'سیفی سرونجی۔ شخصیت اور فن' کے نام سے کتاب شائع کی ہے۔ جس پر اپنی ناقدانہ نظر ڈالتے ہوئے تبصرہ نگار نے لکھا ہے کہ:

''دیہی زندگی میں آ رہے بدلاؤ، نیم کے پیڑوں کا نابود ہو جانا شہری زندگی کی محبوبیت، چھل کپٹ، ریس اور تناؤ، عبادتوں میں کھوٹ اور دکھاوا۔ یہ سب موضوعات ان کے اشعار میں جگہ پاتے ہیں۔'' ۹۴

اس کتاب کے بارے میں تبصرہ نگار مزید لکھتے ہیں کہ:

''ان مضامین میں نہ صرف سیفی سرونجی کی شخصیت اور فن کو پرکھا گیا ہے بلکہ موجودہ دور کی ادبی سرگرمیوں اور تحریکوں پر بھی بحث کی گئی ہے۔ اس طرح موجودہ دور کا اردو منظر نامہ ابھر کر سامنے آیا ہے۔'' ۹۵

➤ نعتیہ شاعری میں ہئیتی تجربے (علیم صبا نویدی) :

علیم صبا نویدی کی تحقیقی کتاب 'نعتیہ شاعری میں ہئیتی تجربے' کو تجزیاتی نقطۂ نظر سے پرکھ کر تبصرہ نگار نے اپنے تاثرات قلم بند کیے ہیں۔ ایک اقتباس یہاں پیش کیا جاتا ہے:

''دکنی ادب اور نعت گوئی پر ان کی خاص نظر رہی ہے اور دکنی شعری ادبیات کا جائزہ بھی بڑی خوش اسلوبی سے کیا ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ اردو میں صنف اور ہیئت میں امتیاز کرنا بہت مشکل کام ہے کیونکہ ہمارے یہاں کئی اصناف اور ہئیتیں بیرونی ممالک سے در آئی ہیں۔ علاوہ ازیں وہ نعت گوئی کو شاعری کی بڑی مشکل صنف گردانتے ہیں کیونکہ اس میں بہت ساری حد بندیاں اور پابندیاں ہیں اور اس میں پیش ہونے والے موضوعات میں حدّ ادب سے سر مو بھی تجاوز نہیں کیا جا سکتا ہے۔'' ۹۶

➤ اردو دوہے۔ ایک تنقیدی جائزہ (ظہیر غازی پوری) :

'دوہے' ہندی شاعری کی ایک مشہور صنف ہے جو اب اردو میں اردو دوہے کے نام سے بھی جانی جاتی ہے۔ ظہیر

غازی پوری نے 'اردو دوہے۔ ایک تنقیدی جائزہ' کے نام سے دوہے کے ارتقاء اور ہیئت کا جائزہ لیا ہے جس کے بارے میں مشہور اردو نقاد گیان چند کے خیالات تبصرہ نگار نے نقل کیے ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

'' یہ عروضی صنف ہے جو ایک شعر کے برابر ہوتی ہے۔ اس کے ہر مصرع میں ۲۴ ماترائیں ہوتی ہیں۔ مصرع کے پہلے جزو میں ۱۳ ماترا، اس کے بعد وقفہ اور دوسرے جزو میں ۱۱ ماترا۔ اردو کے لحاظ سے اس کا مثالی وزن یہ ہے۔ فعلن فعلن فاعلن، فعلن فعلن فاع'' ۹۷

کتاب کے بارے میں تبصرہ نگار نے مزید لکھا ہے کہ:

'' مذکورہ کتاب میں تیرا ابواب ہیں جن میں دوہے کی صنف کا تنقیدی جائزہ، ہندی اور اردو دوہوں کا آپسی تعلق و تفریق، دوہے کی تواریخی، لسانی اور عروضی لوازمات، ہیتی اور صنفی تجربات، غزل اور دوسری اصناف کے ساتھ دوہے کا تعلق، متنازعہ دوہوں کے اصلی خالق کی نشاندہی وغیرہ موضوعات پر کھل کر بحث کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ نامور دوہا نگاروں جیسے جمیل الدین عالی، بھگوان داس اعجاز، نذیر فتحپوری، فراز حامدی، ڈاکٹر ارمان اور شاد باگلکوٹی کے فن پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور آخری مضمون میں مصنف نے ڈاکٹر اقبال کی دوہا نگاری پر بھی ایک نظر ڈالی ہے۔ عروضی لوازمات پر انہوں نے ڈاکٹر گیان چند اور ڈاکٹر عنوان چستی کے خیالات کے ساتھ اتفاق کیا ہے۔'' ۹۸

اردو ناول میں متوسط طبقہ کے مسائل (ڈاکٹر فرزانہ نسیم) :

'اردو ناول میں متوسط طبقہ کے مسائل' کے نام سے ڈاکٹر فرزانہ نسیم نے ایک اہم تحقیقی کتاب شائع کی ہے جس کا جائزہ لیتے ہوئے کتاب کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ تبصرہ نگار اس بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

'' پوری کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ عیاں ہوجاتا ہے کہ اردو میں ناول نگاروں نے زیادہ تر سماجی ناانصافی، طبقاتی نابرابری، مذہبی اور جنسی استحصال، نسائی تعلیم، بال وِواہ، بیواؤں کی دوسری شادی، پردہ، بداعتمادی، ذہنی ان میل، خاندانی عدم استحکام، طلاق، عورتوں کے حقوق اور شرکت (Emporwerment) توہم پرستی، ٹونے ٹوٹکے پر یقین، یتیم بچوں کی جائیداد کی خرد برد، سوتیلی ماؤں کی بدسلوکی، جہیز اور شادی بیاہ کے موقعوں پر غیر ضروری دکھاوا اور رسمیں جیسے مسائل کو اپنے ناولوں کا موضوع بنایا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ناول ایوانوں سے اتر کر متوسط طبقہ کے گھرانوں اور غریبوں کی جھونپڑیوں کا حال سنانے لگے۔ مقالہ نگار نے ہنرمندی سے ان مسائل کا احاطہ کیا ہے۔ '' ۹۹

شعرائے پونہ۔ ایک تحقیق (نذیر فتح پوری) :

نذیر فتح پوری کی لکھی ہوئی تحقیقی کتاب 'شعرائے پونہ۔ ایک تحقیق' کا تبصرہ اس باب میں شامل ہے۔ نذیر فتح

کی دس سالوں کی کڑی محنت کے بعد ہی اس کتاب کی تکمیل ممکن ہوسکی ہے۔اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے مبصر لکھتے ہیں کہ:

''پونہ میں مسلمانوں کی آمد اور ادبی سرگرمیوں کا ذکر کرنے کے بعد مصنف نے ان سبھی شعراء کے سوانحی اشارے اور نمونہ کلام درج کیے ہیں جو پونہ میں پیدا ہوئے ہیں یا پھر پونہ آکر مستقل یا غیر مستقل طور پر رہ چکے ہیں۔ مہمان شعراء کے تحت ان شاعروں کا ذکر بھی کیا گیا ہے جو زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر پونہ سے وابستہ رہے ہیں ۔مصنف نے بلا جھجھک اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ پونہ کی ادبی شمع کو فروزاں رکھنے کے لیے ان بیرونی شعراء کا اہم کردار رہا ہے۔نذیر فتح پوری یٰسین پیراں شاہ قادری کو پہلا شاعر مانتے ہیں۔محقق نے مشمول شاعروں سے وابستہ اہم حکایتیں بھی قلمبند کی ہیں جبکہ چند ایک مقامات پر تاریخی حیثیت رکھنے والی تصاویر سے بھی اس تصنیف کو مزئین کیا ہے۔''۱۰۰

اس تبصرے میں مبصر نے کتاب میں دی گئی معلومات کی مختصر طور پر جانکاری دی ہے جیسے کتاب میں داغؔ اور غالبؔ سے تلمیذ شدہ پونے کے ۹۸ شعراء کے کوائف کے علاوہ ۲۷ غیر مقیم شاعروں کا ذکر بھی کیا ہے جو پونے کی ادبی سرگرمیوں کا کبھی نہ کبھی حصہ رہے تھے اور ان شعراء کے ساتھ ان کے کلام کا نمونہ بھی پیش کیا ہے۔تیسرے باب میں انھوں نے پونے کے ۵۹ موجودہ شعراء کی شخصیت اور کلام کی جھلکیوں کو پیش کیا ہے جبکہ چوتھے باب میں ان ۲۲ شاعروں کے بارے میں لکھا ہے جو دیگر زبانوں جیسے ہندی، مراٹھی، اور انگریزی زبان سے تعلق رکھتے تھے لیکن انہیں اردو سے بے حد محبت تھی۔

➤ **شمالی آرکاٹ میں اردو (ڈاکٹر جاویدہ حبیب) :**

اس باب کا آخری تبصرہ ڈاکٹر جاویدہ حبیب کی تحقیقی تصنیف 'شمالی آرکاٹ میں اردو' پر لکھا گیا ہے۔تبصرہ کا اقتباس ذیل میں درج ہے:

''تحقیق نگار نے ابتداء میں نہ صرف شمالی آرکاٹ بلکہ اس میں شامل مختلف اضلاع جیسے آمبور، وانمباڑی، عمرآباد، پرنام پیٹ، گڈیا تم، پلی گینڈ اور ترپاتور کا اردو ادب کے حوالے سے تاریخی جائزہ پیش کیا ہے اور اس کے بعد ان علاقوں کے شاعروں اور نثر نگاروں کے سوانحی اشارے اور فن کے نمونے بڑی چابکدستی اور اختصار سے قلمبند کیے ہیں۔''۱۰۱

مصنفہ کے کام سے مبصر بے حد متاثر نظر آتے ہیں اس لیے اپنے تاثرات یوں بیان کرتے ہیں:

''زیر نظر تصنیف کڑی محنت اور لگن کا ثمر ہے۔زبان رواں اور اصطلاحی جارگن سے مبرا ہے جس کے سبب کتاب پڑھنے میں مزہ آتا ہے۔ آنے والی نسلیں جب بھی شمالی آرکاٹ میں اردو کی ترقی کے بارے میں بات کریں

گی تو اس کتاب کا ضرور حوالہ دیں گی۔''۱۰۲؎

ظاہر ہے کہ دیپک بدکی نے اپنے تنقیدی مضامین اور تبصروں میں جو تجزیے پیش کیے ہیں، وہ سب اپنا ایک انفرادی رنگ رکھتے ہیں اور ان سے محنت اور دیدہ ریزی صاف طور پر ٹپکتی ہے۔ دراصل تبصرہ نگار نے ہر بات کو اتنی خوبصورتی سے پیش کیا ہے کہ ہر تصنیف کی، چاہے وہ نثر سے تعلق رکھتی ہو یا نظم سے، واضح تصویر قاری کے ذہن پر نقش ہو جاتی ہے۔ مجھے یہ بات کہنے میں کوئی تامل نہیں ہے کہ دیپک بدکی خود کو نقاد مانیں یا نہ مانیں مگر انھوں نے 'عصری تحریریں' اور 'عصری شعور' لکھ کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ انتقادی شعور اور غیر جانبدارانہ تجزیاتی نگاہ رکھتے ہیں۔

☆☆☆

باب: ۲ . ۲ . ۴ : عصری شعور ۔تبصرے

حوالہ جات

نمبر مضمون / تصنیف	مصنف/ مدیر	صفحہ
(ا) بحوالہ ورق ورق آئینہ: دیپک بدکی شخصیت اور فن مرتبین	۱) پروفیسر شہاب عنایت ملک ۲) ڈاکٹر فرید پربتی ۳) ڈاکٹر انور ظہیر انصاری	۲۵۹
(۲) عصری شعور	دیپک بدکی	۱
(۳) افسانہ 'میں مسز بہار گو کا شوہر ہوں' قاضی مشتاق احمد ،بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۱۲۴
(۴) ایضاً	"	۱۲۵
(۵) افسانوی مجموعہ 'چکر' جتیندر بلو ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۱۳۲
(۶) افسانوی مجموعہ 'اقرار نامہ' نعیم کوثر ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۱۳۵
(۷) افسانوی مجموعہ 'مٹی کے متوالے' گلزار جاوید ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۱۴۱
(۸) افسانوی مجموعہ 'لمحے' سالک جمیل براڑ ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۱۵۱
(۹) افسانوی مجموعہ 'ضمیر اپنا اپنا' اندرا شبنم، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۱۵۷۔۱۵۸
(۱۰) افسانوی مجموعہ 'ہزاروں غم' ڈاکٹر مشتاق احمد وانی، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۱۶۲
(۱۱) افسانوی مجموعہ 'چکر' جتیندر بلو ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۱۳۱
(۱۲) ایضاً	"	۱۳۲
(۱۳) افسانوی مجموعہ 'اقرار نامہ' نعیم کوثر ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۱۳۵
(۱۴) ایضاً	"	۱۳۵
(۱۵) ایضاً	"	۱۳۶
(۱۶) ایضاً	"	۱۳۸
(۱۷) افسانوی مجموعہ 'مٹی کے متوالے' گلزار جاوید ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۱۴۱
(۱۸) ایضاً	"	۱۴۱

(۱۹) ایضاً ”	”	۱۴۱
(۲۰)افسانوی مجموعہ ’ریزہ ریزہ دل‘ نذیر فتح پوری ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۱۴۲
(۲۱) ایضاً ”	”	۱۴۳
(۲۲)افسانوی مجموعہ ’چھوٹی سی بات‘ صفیہ صدیقی ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۱۴۵۔۱۴۶
(۲۳) ایضاً ”	”	۱۴۸
(۲۴)افسانوی مجموعہ ’لمحے‘ سالک جمیل براڑ ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۱۵۱
(۲۵) ایضاً ”	”	۱۵۰
(۲۶) ایضاً ”	”	۱۵۱
(۲۷)افسانوی مجموعہ ’اندھیرے کا کرب‘ مجیر احمد آزاد ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۱۵۴
(۲۸) ایضاً ”	”	۱۵۴
(۲۹) ایضاً ”	”	۱۵۴
(۳۰)افسانوی مجموعہ ’شہرِ تخیل‘ عرفانہ تزئین شبنم ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۱۵۶
(۳۱) ایضاً ”	”	۱۵۶
(۳۲)افسانوی مجموعہ ’ضمیر اپنا اپنا‘ اندرا شبنم ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۱۵۸
(۳۳) ایضاً ”	”	۱۵۷۔۱۵۸
(۳۴)افسانوی مجموعہ ’ہزاروں غم‘ ڈاکٹر مشتاق احمد وانی ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۱۶۰
(۳۵) ایضاً ”	”	۱۶۲
(۳۶) ایضاً ”	”	۱۶۰
(۳۷)افسانوی مجموعہ ’میٹھا زہر‘ ڈاکٹر مشتاق احمد وانی ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۱۶۵
(۳۸) ایضاً ”	”	۱۶۴
(۳۹) ایضاً ”	”	۱۶۵
(۴۰) بحوالہ اردو ادب نثر۔حصہ سوم	پروفیسر غلام عمر خاں اور دیگر اراکین	۷
(۴۱) ناول ’وشواس گھات‘ جتیندر بلو ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۱۷۴
(۴۲) ناول ’آہنکار‘ نورالحسنین ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۱۸۰

(۴۳)ناول 'ترشول' محمد ارمان حسین ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۱۸۲
(۴۴)ناول 'انیسواں ادھیائے' نند کشور وکرم ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۱۷۱
(۴۵) ایضاً	''	'' ۱۶۹
(۴۶) ایضاً	''	'' ۱۷۱
(۴۷) ایضاً	''	'' ۱۶۸
(۴۸)ناول 'وشواس گھات' جتیندر بلو ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۱۷۲۔۱۷۳
(۴۹) ایضاً	''	'' ۱۷۳
(۵۰) ایضاً	''	'' ۱۷۴
(۵۱)ناول 'ایک ہزار دوراتیں' صلاح الدین پرویز ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۱۷۵
(۵۲) ایضاً	''	'' ۱۷۵
(۵۳) ایضاً	''	'' ۱۷۷
(۵۴)ناول 'آہنکار' نورالحسنین ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۱۷۸۔۱۷۹
(۵۵) ایضاً	''	'' ۱۸۰
(۵۶)ناول 'ترشول' محمد ارمان حسین ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۱۸۱
(۵۷) ایضاً	''	'' ۱۸۳۔۱۸۴
(۵۸) ایضاً	''	'' ۱۸۳
(۵۹)ناول 'مہربان جن' وکیل نجیب ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۱۸۵
(۶۰) ایضاً	''	'' ۱۸۶
(۶۱)مکالمے 'براہِ راست' گلزار جاوید ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۱۹۶
(۶۲)لطیفوں کا مجموعہ		
'خوش کلامیاں قلم کاروں کی' کے ایل نارنگ ساقی ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۲۰۱
(۶۳)ڈائری 'بند کمرے کی کھڑکی' نور شاہ ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۱۸۷
(۶۴) ایضاً	''	'' ۱۸۷۔۱۸۸
(۶۵) ایضاً	''	'' ۱۸۹
(۶۶)سفرنامے 'آٹھ سفرنامے' قاضی مشتاق احمد، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۱۹۲۔۱۹۳

(۶۷) ایضاً ”	”	۱۹۳
(۶۸) ایضاً ”	”	۱۹۳
(۶۹) مکالمے 'براہِ راست' گلزار جاوید ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۱۹۶
(۷۰) لطیفوں کا مجموعہ 'خوش کلامیاں قلم کاروں کی' کے ایل نارنگ ساقیؔ ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۲۰۱
(۷۱) شعری مجموعہ 'تیسرا دریا' ریشؔ تنہا ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۲۱۶
(۷۲) شعری مجموعہ 'روحیں چناب کی' سیدہ نسرین نقاش ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۲۲۳
(۷۳) شعری مجموعہ 'گلابوں کے چراغ' طہور منصوری نگاہؔ ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۲۳۳
(۷۴) شعری مجموعہ 'بادباں سفینوں کے' رفیق شاہین ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۲۰۳
(۷۵) ایضاً ”	”	۲۰۴
(۷۶) شعری مجموعہ 'سمندر سوچتا ہے' رئیس الدین رئیس ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۲۰۸۔۲۰۹
(۷۷) ایضاً ”	”	۱۲۰
(۷۸) شعری مجموعہ 'شہر فصیلوں سے' نور منیری ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۲۱۴
(۷۹) ایضاً ”	”	۲۱۴
(۸۰) شعری مجموعہ 'تیسرا دریا' ریشؔ تنہا ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۲۱۶
(۸۱) ایضاً ”	”	۲۲۰
(۸۲) شعری مجموعہ 'روحیں چناب کی' سیدہ نسرین نقاش ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۲۲۳
(۸۳) ایضاً ”	”	۲۲۳
(۸۴) شعری مجموعہ 'سوزِ دل' محمد خورشید اکرم سوز ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۲۲۷
(۸۵) شعری مجموعہ 'گلابوں کے چراغ' طہور منصوری نگاہؔ ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۲۳۰
(۸۶) ایضاً ”	”	۲۳۲
(۸۷) شعری مجموعہ 'مصباح' جمال قریشی ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۲۳۴
(۸۸) ایضاً ”	”	۲۳۵
(۸۹) شعری مجموعہ 'سحر ہونے تک' سید سحرؔ شاہجہاں پوری ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۲۳۸
(۹۰) ایضاً ”	”	۲۳۸

(۹۱)شعری مجموعہ'ماں' مناظر ہرگانوی وشاہد نعیم ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۲۴۳
(۹۲)تنقید'اردوادب کی ہمہ جہت قلمکار'ڈاکٹر فراز حامدی ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۲۴۷
(۹۳) تالیف'ابراہیم اشکؔ۔نئے عہد کے گیت کار'ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، ،بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۲۴۸
(۹۴) تالیف'سیفی سرونجی۔شخصیت اور فن' محمد توفیق خان ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۲۵۴
(۹۵) ایضاً "	"	۲۵۲
(۹۶)تحقیق'نعتیہ شاعری میں ہیئتی تجربے' علم صبا نویدی ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۲۵۵
(۹۷)ادبی اصناف	گیان چند	۸۲۔۸۱
(۹۸)تنقید'اردو دوہے۔ایک تنقیدی جائزہ' ظہیر غزی پوری ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۲۵۹
(۹۹)تحقیق'اردو ناول میں متوسط طبقہ کے مسائل'ڈاکٹر فرزانہ نسیم ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۲۶۶
(۱۰۰)تحقیق'شعراء پونہ۔ایک تحقیق' نذیر فتح پوری ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۲۶۸
(۱۰۱)تحقیق'شمالی آرکاٹ میں اردو'ڈاکٹر جاوید حبیب ، بحوالہ عصری شعور	دیپک بدکی	۲۷۴
(۱۰۲) ایضاً "	"	۲۴۸

☆☆